نماز کے آداب ومستحبات

مسنون لباس میں نماز:

سوال: یہاں افریقہ میں مکان ہے، باہر بازار وغیرہ میں بغیر کوٹ پتلون پہنے ہوئے نکلنے کا رواج نہیں ہے، یہاں کا یونیفارم ہی کورٹ پتلون ہے تو جو شخص اپنے مکان میں یا مسجد میں کورٹ یا پتلون نکال کر پائجامہ پہن کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بغیر کراہت ہوگی یا کراہت کے ساتھ؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جو لباس مسنون ہے، اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں؛ بلکہ افضل ہے، اگر چہ وہاں کا یونیفارم اس کے خلاف ہو۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۴۷)

پگڑی کے ساتھ نماز کثرت ثواب کا ذریعہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

امام کے لئے عمامہ (پگڑی) ضروری ہے یا نہیں؟ نیز واضح کریں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پگڑی اور عمامہ باندھنے سے ثواب ستر گناہ درجہ زیادہ ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فضل کریم صوابی، ۲۷/ذیقعدہ/۱۳۹۵ھ)

---

(۱) وقوله تعالىٰ: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

يدل علىٰ أنه مندوب في حضور المسجد إلىٰ أخذ ثوب نظيف مما يتزين به، وقد روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: ''ندب إلىٰ ذلک في الجمع والأعياد''. كما أمر بالاغتسال للعيدين والجمعة وأن يمس من طيب أهله. (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۵، قديمي)

''ولهٰذه الآية وما ورد في معناها من السنة يستحب التجمل عند الصلاة''. (تفسير ابن كثير: ۲/۲۸۱، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

عن طاؤس في قوله عزوجل ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ قال: الثياب. (معرفة السنن والآثار، جماع لبس المصلي: ۳/۱۴۹ (ح: ۴۰۸۱) جامعة الدراسات الإسلامية كراتشي، انيس)

الجواب

عمامہ پہننا ہر مسلمان کے لئے کار خیر اور مستحب ہے، خصوصاً نماز کی حالت میں کثرت ثواب کا ذریعہ ہے۔
"کما فی الفردوس الدیلمی: عن جابر رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعةً بلا عمامة.
وفیه أیضاً: الصلاة فی العمامة عشر آلاف حسنة. (کما فی کشف الحقائق، ص: ۷۷)(۱)
البتہ امام کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا جہالت ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۸۲/۲-۲۸۳)

پگڑی کے مسنون ہونے کا حکم انقلابات زمانہ سے تبدیل نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

جس مقام پر پگڑی کا استعمال نہ ہوتا ہو، اس مقام پر پگڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ بات کس کتاب میں لکھی ہوئی ہے کہ جہاں پگڑی کا استعمال نہ ہوتا ہو، وہاں پگڑی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کتاب کا حوالہ لکھ کر ممنون فرماویں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: محمد نثار برطانیہ.....۱۹/محرم الحرام/۱۳۹۵ھ)

الجواب

امر مسنون تا قیامت مسنون رہے گا، عرف کے انقلابات سے سنت میں انقلاب نہیں آتا۔ (کما فی تنقیح الفتاویٰ: ۳/۱)(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۸/۲-۲۴۹)

(۱) قال القاری: وکذا ما أورده الدیلمی من حدیث ابن عمر مرفوعاً: صلاة بعمامة تعدل خمسا وعشرین ... ومن حدیث أنس مرفوعاً الصلاة فی العمامة بعشرة آلاف حسنة قلت: مروی ابن عمر نقله السیوطی عن ابن عساکر فی جامعه الصغیر مع التزامه بأنه لم یذکر فیه الموضوع. (الموضوعات الکبریٰ للقاری: ۱٤۷، رقم الحدیث: ٥٦۳)

وقال النجم بعد إیراد ماذکر: لکن أورد السیوطی فی الجامع الصغیر عن جابر بلفظ: "رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة من غیر عمامة" فهو غیر موضوع لأن الجامع المذکور جرده مؤلفه عن الموضوع. (کشف الخفاء، حرف الصاد المهملة: ۲۸/۲، المکتبة العصریة. انیس)

حدیث جابر رواه أبو الشجاع الدیلمی فی الفردوس بمأثور الخطاب، باب الراء (رقم الحدیث: ۳۲۳۳) ۲٦٥/۲، دار الکتب العلمیة بیروت.

والحدیث الثانی روی عن أنس رضی الله عنه، باب الصاد (رقم الحدیث: ۳۸۰٥) ٤۰٦/۲. انیس

(۲) قال العلامة محمد أمین ابن عابدین: وفی القنیة: لیس للمفتی ولا للقاضی أن یحکما علیٰ ظاهر المذهب ویترکا العرف ... وأصلها قوله علیه الصلاة والسلام" ماراٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن". أقول: لکن صرحوا بأن العرف المخالف للنص لا یعتبر بأنه لا یصح بیع الشرب مقصودًا وإن تعورف. (العقود الدریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، قبیل کتاب الطهارة (مقدمة): ۳/۱) فوائد تتعلق بآداب المفتی، دار المعرفة. انیس)

امام سے عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے کا مطالبہ درست نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص لوگوں کے روبرو یہ بات کہہ دے کہ پگڑی سر پر باندھنا سنتِ رسول ہے اور جو علما سر پر پگڑی نہیں باندھتے، وہ لعنتی اور خبیث ہیں، اس کہنے والے کا کیا حکم ہے؛ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اکثر علما سر پر پگڑی نہیں باندھتے؛ بلکہ اکثر ٹوپی اور قراقلی پہنتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالرزاق، پی او ایف واہ کینٹ، ۹/۱/۱۹۹۱ء)

الجواب

عمامہ پہننا سنت رسول، (۱) اور سنتِ ملائکہ ہے، (۲) اور اس کا پہننا ہر مسلمان کے لئے سنتِ زائدہ اور مستحب ہے، (۳) علمائے کرام یا ائمہ کرام کے ساتھ اس کا خاص کرنا غلطی ہے، (۴) البتہ کپڑے یا چمڑے کی ٹوپی پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، (۵) اور جو شخص عمامہ کو بالکلیہ ترک کردے، یا استخفاف اور قلت مبالات کی وجہ سے ترک کردے، یا

(۱) فی منهاج السنن: أن العمامة سنة ولها فضيلة مثل سائر السنن الزائدة وأما روايات فضيلة الصلاة فيها خمسا وعشرين صلاة أوسبعين صلاة وعشرة آلاف حسنة فباطلة وموضوعة صرح به القاری وغيره، و تمام هٰذه المسائل فی التحفة الأحوذی. (منهاج السنن شرح جامع السنن: ۲۱۲/۵، باب سدل العمامة بين الكتفين)

نوٹ: حدیث مذکور کے بارے میں علما کا اختلاف ہے، اکثر محدثین نے موضوع کہا ہے، البتہ ملا علی قاری ودیگر علما کی یہ رائے کہ علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو نقل کیا، واضح رہے کہ علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں موضوع حدیث کو نقل نہیں کیا ہے، اس حدیث کے نقل کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث قابل قبول ہے، البتہ اس حدیث سے سنت مؤکدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ استحباب کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص بغیر عمامہ کے نماز پڑھائے تو اس پر لعن طعن نہیں کیا جاسکتا ہے۔ انیس

(۲) قال العلامة الحافظ ابن كثير: (قوله: من الملائكة مسوّمين) قال: "معلمين وكان سيما الملائكة يوم بدر عمائم سود ويوم حنين عمائم حمر" وروی من حديث حصين بن مخارق عن سعيد عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال لم تقاتل الملائكة إلا يوم بدر ... عن ابن عباس قال: كان سيما الملائكة يوم بدر عمائم بيض قد أرسلوها فی ظهورهم ويوم حنين عمائم حمر... حدثنا هشام بن عروة عن يحيٰ بن عباد أن الزبير رضی اللّٰه تعالیٰ عنه كان عليه يوم بدر عمامة صفراء معتجرا بها فنزلت الملائكة عليهم عمائم صفر. (تفسير ابن كثير: ۵۲۳/۱، سورة آل عمران: ۱۲۵، انيس)

(۳) قال فی شرح الوقاية: السنة ما واظب النبی عليه السلام مع الترک أحياناً فإن كانت المواظبة المذكورة علٰی سبيل العبادة فسنن الهدٰی وإن كانت علٰی سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب والأكل باليمين وتقديم الرجل اليمنٰی فی الدخول ونحو ذلک. (شرح الوقاية: ۶۹/۱، الولاء والتيامن فی الوضوء، كتاب الطهارة)

(۴) قال العلامة حسن بن عمار بن علی: والمستحب أن يصلی فی ثلاثة أثواب إزار وقميص وعمامة وقال الزيلعی والأفضل أن يصلی فی ثوبين لقوله عليه السلام إذا كا ن لأحدكم ثوبان فليصل فيهما يعنی مع العمامة؛ لأنه يكره مكشوف الرأس. (إمداد الفتاح شرح نور الإيضاح: ۲۲۹، باب شروط الصلاة وأركانها)

(۵) وقال فی منهاج السنن: فی الغرائب رجل صلٰی مع قلنسوة وليس فوقها عمامة أو شئ آخر يكره وما ذكره الفردوس الديلمی عن جابر ركعتان بعمامة خير من سبعين ركعة بلا عمامة، وبالجملة أن ترک العمامة ترک الأولٰی نعم جاز ترک مالايكون مطلوباً شرعاً عند مصلحة العوام. (منهاج السنن شرح جامع السنن: ۲۲۵/۲، باب ما جاء فی الصلاة فی الثوب الواحد)

تکاسل کی وجہ سے ترک کردے تو وہ حدیث بیہقی " لعنتهم ولعنهم اللّٰه وكل نبي مجاب والتارك لسنتي "(۱) کی بنا پر ملعون ہے۔(۲)وهو الموفق

نوٹ: ماحول اور معاشرہ کے تاثر سے سنت رسول ترک کرنا اضعف ایمان کی علامت ہے۔فقط

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۹۱-۲۹۳)

عمامہ کے لئے رومال کا استعمال اور عمامہ کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل رومال کا جو استعمال ہے کیا اس کو سر پر باندھنے سے عمامہ کی سنت ادا ہوگی؟ نیز از روئے احادیث عمامہ کی اقل مقدار اور اکثر مقدار کتنے گز تک ثابت ہے ؟نیز کیا عمامہ صرف امام کے لئے سنت ہے یا مقتدی اور منفرد کے لئے بھی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حبیب گل.....۱۹۷۴ء)

الجواب

واضح رہے کہ عمامہ پہننا ہر مسلمان کے لئے سنت ہے،لثبوتها بالأحاديث القولية والفعلية كما لا يخفىٰ اور فقہائے کرام نے اس کو مستحبات نماز میں شمار کیا ہے۔(كما في شرح الكبير: ٣٢٤)(۳)

(۱) عن علي بن الحسين يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ستة لعنتهم، لعنهم الله وكل نبي مجاب: الزائد في كتاب اللّٰه، والمكذب بقدر الله، والتارك لسنتي والمتسلط بالجبرية ليذل من أعز الله ويعز من أذل الله والمستحل من عترتي ماحرم الله يعني والمستحل لحرم الله.(القضاء والقدر للبيهقي، باب ماورد من التشديد على من كذب بقدر (ح:٤٢٤): ٢٨٥/١، مكتبة العبيكان الرياض. انيس)

(۲) وقال في منهاج السنن: ذكر العلي القاري أيضاً والمجد الشيرازي وغيرهما من أرباب السير أن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير العمائم ويلبس العمائم بغير القلانس انتهىٰ. فإن قيل قد روى الترمذي مرفوعاً: "إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس"، قلنا: قال الترمذي: إسناده ليس بالقائم، وقيل قصده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الانكار على الاعتجاز.(منهاج السنن شرح جامع السنن: ٢٣٧/١، باب ماجاء في المسح على الجوربين والعمامة)

قال العلامة عبد الحي اللكهنوي: وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك.(عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية: ١٩٨/١، قبيل باب الوتر والنوافل)(كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، انيس)

(۳) قال العلامة الحلبي: (المستحب أن يصلي) الرجل في (ثلاثة أثواب إزار وقميص وعمامة) ولو صلىٰ في ثوب واحد متوحشاً به جميع بدنه كما يفعل القصار في المقصرة جاز من غير كراهة ... ولكن فيه ترك الاستحباب) (غنية المستملي: ٣٣٧، فصل فيما يكره في الصلاة)

اس میں امام اور غیر امام کا حکم یکساں ہے، صرف امام کے ساتھ خاص ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔(۱)

نیز واضح رہے کہ عمامہ ہر وہ کپڑا ہوتا ہے جو کہ سر پر پیچیدہ کیا جائے۔(کما فی التعلیق الممجد) اور یہ معنیٰ رومال میں بھی موجود ہے، لہٰذا لغت عربی کی رو سے یہ عمامہ ہوگا، اگر چہ ہماری لغت میں اسے عمامہ نہیں کہا جاتا ہے اور چونکہ عمامہ کے لئے شرعاً کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، لہٰذا رومال کے صغر سے کوئی نقص لازم نہ ہوگا، البتہ ملا علی قاری نے مرقات میں میں لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چھوٹا عمامہ سات شرعی گز تھا اور بڑا عمامہ بارہ شرعی گز تھا؛(۲) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس خاص مقدار سے کم وبیش عمامہ مسنون نہ ہوگا، **کما فی الرداء والإزار**. (۳) **فافهم وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۸-۲۸۹)

امام کے لئے پگڑی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام مسجد کے لئے پگڑی کی کم از کم مقدار کتنی ہونی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مثل زادہ ترلاندی صوابی......۱۲/۵/۱۹۶۹ء)

(۱) قال العلامة عبد الحی اللكهنوی: وقد ذكروا أن المستحب أن يصلی فی قميص وإزار وعمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية: ۱/۱۹۸، قبيل باب الوتر والنوافل) (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، انيس)

وفی منهاج السنن: أن العمامة سنة ولها فضيلة مثل سائر السنن الزائدة وأما روايات فضيلة الصلاة فيها خمساً وعشرين صلاة أو سبعين صلاة وعشرة آلاف حسنة فباطلة وموضوعة صرح به القاری وغيره. (منهاج السنن شرح جامع السنن: ۵/۲۱۲، باب سدل العمامة بين الكتفين)

(۲) ... كان له صلى الله عليه وسلم عمامة وقصيرة وعمامة طويلة وأن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة اثنی عشر ذراعاً. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس: ۷/۲۷۷۸، دار الفكر بيروت. انيس

(۳) وفی منهاج السنن: والعمامة هی ما اعتم بالرأس ولا حد لها شرعاً، نعم ذكر فی شرح المواهب: كانت له صلی الله تعالىٰ عليه وسلم عمامة قصيرة ستة أذرع عمامة طويلة اثنا عشر ذراعاً.

وفی السعاية: ذكر علی القاری فی رسالته فی العمامة ذكر بعض علماء نا الحنفية أن العمامة التی كان يلبس دائماً طولها سبعة أذرع والتی تلبس فی الجمعة والعيدين طولها اثنا عشرة ذراعاً ويؤيده ما ذكره الجزری فی تصحيح المصابيح قد تتبعت الكتب وتطلبت من كتب السير والتواريخ لأقف علىٰ قدر عمامته صلی الله تعالىٰ عليه وسلم فلم أقف علىٰ شئ حتیٰ أخبرنی من أثق به أنه وقف علىٰ شئ من كلام الشيخ محی الدين النووی ذكر فيه أنه عليه السلام كان له عمامة قصيرة وعمامة طويلة وإن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة اثنی عشر، انتهیٰ. (منهاج السنن شرح جامع السنن: ۱/۲۳۷، باب ما فی المسح علی الجوربين والعمامة)

الجواب

پیغمبر علیہ السلام کی پگڑی مختلف قسم کی تھی ؛لیکن سنت ہر پگڑی سے ادا ہوتی ہے، جیسا کہ قمیص اور چادر اور ازار، جتنا بھی ہو، اس سے سنت ادا ہو سکتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ موافق مقدار منقولہ کی ہو۔(۱) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۷)

پگڑی کی شرعی حیثیت اور مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پگڑی صرف نماز کے لئے باندھی جائے گی یا دیگر اوقات میں بھی مسنون ہوگی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا رومال جو عام طور پر کندھوں پر استعمال کیا جاتا ہے، اس سے سنت کا اتباع ہوگا یا نہیں؟ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پگڑی کی مقدار کیا تھی؟ بینوا توجروا۔

(**المستفتی**: روح الامین فائنل شعبۂ نفسیات، پشاور یونیورسٹی......۳۰/ذی الحجہ/۱۴۰۲ھ)

الجواب

پگڑی نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں مسنون ہے۔(۲)

پگڑی کی کوئی حد شرعی نہیں ہے، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساڑھے تین گز، چھ گز دو قسم پگڑیاں (مختلف رنگوں کی) استعمال کی ہیں۔(سعایہ وزرقانی) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۴)

(۱) **العمامة ما اعتم بالرأس ولا حد لها شرعاً، نعم ذكر في شرح المواهب: كانت له (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) عمامة قصيرة ستة أذرع،وعمامته طويلة إثناعشر ذراعاًوكما فى الطبرانى،ولكن قال ابن حجر لا أصل له. (المواهب:۹۹)**

وفى السعاية: ذكر على القارى فى رسالته فى العمامة ذكر بعض علماء نا الحنفية أن العمامة التى كان يلبس دائماً طولها سبعة أذرع والتى تلبس فى الجمعة والعيدين طولها اثنا عشرة ذراعاً ويؤيده ماذكره الجزرى فى تصحيح المصابيح: قد تتبعت الكتب وتطلبت من كتب السيرو التواريخ لأقف علىٰ قدرعمامته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم أقف علىٰ شئ حتىٰ أخبرنى من أثق به أنه وقف علىٰ شئ من كلام الشيخ النووى ذكر فيه أنه كان له عمامة قصيرة ستة أذرع وعمامة طويلة إثنا عشر ذراعًا وأن القصيرة كانت سبعة أذرع .(مواهب)(الفصل الثالث فيما تدعو ضرورته إليه من غذائه،النوع الثانى فى لباسه وفراسته: ۲۵۷/۶/ كذا جمع الوسائل فى شرح الشمائل،باب ماجاء فى عمامته صلى الله عليه وسلم:۱٦۸،المطبعةالشرفية مصر،انيس)

وقال الشيخ أحمد عبد الجواد الدومى عن ابن القيم لم تكن عمامته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبيرة يؤذى الرأس حملها ولا صغيرة لا تقى الرأس من حر ولا برد بل كانت وسطاً بين ذلك وخير الأمور الوسط.(اتحافات:۱۵۵)

(۲) عمامہ (پگڑی) پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، حضرات انبیاء اور صالحین کے لباس کا حصہ ہے، علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک عمامہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا، آپ اس عمامہ کے نیچے سر پر مڑی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔(المواہب مع زرقانی:۵/۹)

==

عمامہ کے دو شملوں کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمامہ کے دو شملے چھوڑ نا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: حامد انور......۳/۱۲/۱۹۷۵ء)

الجواب

بین الکتفین وعذبہ(۱) جائز ہیں۔ (أشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)(۲) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۸)

== اور شرح مواہب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمامہ چھ گز اور ایک بارہ گز کا تھا، اور سعایہ میں ہے کہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ عمامہ میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے بعض حنفی علمانے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ جو عمامہ پہنتے تھے اس کا طول سات گز تھا اور جمعہ و عیدین میں بارہ گز کا عمامہ باندھتے تھے، اور اس کی تائید علامہ جزری کے قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے تصحیح المصابیح میں ذکر کیا ہے۔

حتٰی أخبرنی من أثق به أنه وقف علٰی شیئ من کلام الشیخ محی الدین النووی ذکر فیه أنه علیه السلام کان له عمامة قصیرة وعمامة طویلة وإن القصیرة کانت سبعة أذرع والطویلة اثنی عشر.

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد۔ (۱/۲۷) اور ملا علی قاری نے مرقاۃ اور مجد الشیر ازی وغیرہ ارباب السیر نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح ٹوپی استعمال فرماتے تھے اسی طرح عمامہ بھی باندھتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھتے تھے، نیز بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ترمذی میں مرفوع روایت ہے:

أن فرق مابیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس.

تو اس کا ایک جواب محدثین نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے، **إسناده لیس بالقائم**، اور منہاج السنن میں ہے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد اعتجاز پر انکار ہے۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف حالت، احرام میں برہنہ سر ہونا ثابت ہے اور عموماً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ کے سرِ مبارک پر عمامہ یا ٹوپی سجی رہتی تھی اور یہ سنت ملائکہ ہیں، تفسیر ابن کثیر (ص: ۵۲۳، جلد: ۱) میں متعدد روایات اس بارے میں وارد ہیں، صحابہ کرام بھی ٹوپی یا عمامہ سے اپنے سروں کو ڈھانکتے تھے، عبد اللہ بن عتیک اور عبد اللہ بن عدی میں سے ہر ایک کے عمامہ کا ذکر بخاری شریف میں آیا ہے اسی طرح کتب احادیث میں انس بن مالک، عمار بن یاسر اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابۂ کرام کے عمامہ کا ذکر آیا ہے، نیز دوسرے صحابۂ کرام کے عمامے پہننے اور شملہ چھوڑنے کی کی کیفیت تک کا تذکرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے تابعین اور تبع تابعین کے متعلق عمامے کا استعمال مروی ہے، ابن بطال مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور ابن ہر مز رحمہم اللہ میں سے ہر ایک کو عمامہ باندھتے ہوئے پایا اور میں ربیعہ کی مجلس میں تھا ان میں اکتیس شرکاء تھے، ہر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قوم عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتی تھی (بخاری: ۱/۵۶) (از مرتب)

(۱) عذبة: شملہ عمامہ

(۲) **وفی المنهاج: وکما ثبت إرسال العذبة بین الکتفین کذلک ثبت إرسالها من الجانب الأیمن نحو الأذن فی حدیث إمامة، أخرجه الطبرانی فی الکبیر... وکذلک ثبت ارخاء ها بین یدی المعتم ومن خلفه** ==

نماز حنفی یا شافعی طریقہ پر:

سوال: مجھے بچپن سے شافعی طریقہ پر نماز پڑھنا سکھایا گیا ہے، اب مجھے میرے سسرال والے نماز کا طریقہ بدلنے اور حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ (ایکس وائی زیڈ چھتہ بازار)

الجواب

حنفی طریقہ ہو، یا شافعی، سب کا مقصود قرآن وحدیث کے مطابق عمل کرنا ہے، البتہ قرآن وحدیث کو سمجھنے اور تحقیق میں اختلافِ رائے ہوسکتا ہے، یہ اختلافات ہدایت وضلالت اور حق وباطل کے نہیں ہیں؛ بلکہ صواب وخطأ اور اکثر مواقع پر زیادہ بہتر اور کم بہتر کا اختلاف ہے،(۱) اس لئے آپ کے سسرال والوں کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ آپ حنفی ہی طریقہ پر نماز پڑھیں، تاہم اگر آپ حنفی طریقہ پر نماز ادا کیا کریں اور مستقل طور پر اس پر عمل کریں تو اس میں بھی حرج نہیں، بہرحال جس فقہ پر عمل کریں، اس پر استقلال برتیں، ایسا نہ ہو کہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے مسلک پر عمل کیا جائے، اس سے نفس پرستی کے رجحان کو تقویت پہونچتی ہے، اور ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ دین کو کھلونا بنالیں گے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۱۲۹-۱۳۰)

== فی حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رواہ أبوداؤد وفی إسنادہ شیخ مجهول وفی حدیث ثوبان أخرجه الطبرانی فی الأوسط... اعلم أن سدل الطرف الأسفل یسمٰی عذبة فی الإصطلاح وأما غرز الطرف الأعلٰی وارساله من خلفه فیسمٰی عذبة لغة وهو ثابت فی روایة أبی الشیخ من روایة ابن عمر، کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یدیر کور العمامة علٰی رأسه ویغرزها من رواءه ویرخیٰ لها ذؤابة بین کتفیه. (منهاج السنن جامع السنن:۵/۲۱۲، باب سدل العمامة بین الکتفین)

(أخرجه أبوالشیخ فی أخلاق النبی، باب ذکر عمامته صلی اللّٰه علیه وسلم (ح: ۳۰۶):۲/۱۹۵، دارالمسلم للنشر والتوزیع / وکذا رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر، من مسند عبداللّٰه بن عمر بن الخطاب (ح:۱۴۰۳۹)

وقال الألبانی بعد ذکر هذا الحدیث: منکر، أخرجه أبوالشیخ فی أخلاق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، ص:۱۲۳، وابن حبان فی الضعفاء: ۳/۱۵۳، والبیهقی فی الشعب: ۵/۱۷۴-۶۲۵۲، من طریق أبی معشر البراء قال: حدثنا خالدالحذاء قال: حدثنا أبوالسلام قال: قلت لابن عمر: کیف کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یعتم؟ قال: فذکره وقال ابن حبان: أبوالسلام یروی عن ابن عمر مالایشبه حدیث الإثبات لایجوز الاحتجاج به ثم ساق له هذا الحدیث. (سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة وأثرها السیء فی الأمة:۹/۲۶۳، دارالمعارف الریاض. انیس)

(۱) ومنها أن أکثر صور الاختلاف بین الفقهاء لا سیما فی المسائل التی ظهر فیها أقوال الصحابة فی الجانبین کتکبیرات التشریق وتکبیرات العیدین ونکاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبآمین والاشفاع والایثار فی الإقامة ونحو ذلک إنما هو فی ترجیح أحدالقولین وکان السلف لایختلفون فی أصل المشروعیة وإنما کان خلافهم فی أولی الأمرین ونظره اختلاف القراء فی وجوه القراءة وقد عللوا کثیرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون وأنهم جمیعا علی الهدیٰ. (حجة اللّٰه البالغة: ۱/۲۷۱، دارالجیل بیروت. انیس)

نمازی کے آگے سترہ کا حکم:

سوال: اکثر عورتیں گھروں میں نماز ادا کرتی ہیں اور ہر گھر میں پلنگ وغیرہ ہوتے ہیں، انہیں کے سامنے نماز ادا کر لیتی ہیں، کیا ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے اور چار پائی و پلنگ کے سامنے کیوں نماز نہیں پڑھ سکتے اور پڑھ سکتے ہیں تو کس صورت میں تفصیل سے جواب دیں؟ بہت سی جگہ قلت جگہ کی وجہ سے پلنگ پر اتنا سامان ہوتا ہے کہ کھڑا کرنا دشوار ہوتا ہے تو اس قسم کی چار پائی و پلنگ کھڑا کئے بغیر اسی کے سامنے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نماز صحیح ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ نمازی کے آگے کوئی نہ ہو، اگر کوئی ہو یا آگے سے گذرے تو صرف کوئی ایک چیز خواہ انگلی کی طرح پتلی اور قریب ایک ہاتھ اونچی سامنے رکھ لے، پھر نماز پڑھے تو نماز بلاشبہ صحیح ادا ہوگی۔(۱) پس گھر میں اس قاعدہ سے سترہ (حائل) کر لے اور بلاخوف وخدشہ پڑھے، اتنا سترہ ہو جانے پر پھر چار پائی پلنگ آگے کھڑا کرنے وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند-۲۲/۲/۱۴۰۹ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دار العلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۶۹)

---

(۱) والمستحب لمن يصلى فى الصحراء أن ينصب بين يديه عوداً أو يضع شيئاً أدناه طول ذراع كى لايحتاج إلى الدرء لقول النبى صلى الله عليه وسلم:إذا صلى أحدكم فى الصحراء فليتخذ بين يديه سترة... وإنما قدر أدناه بذراع طولا دون اعتبار العرض وقيل ينبغى أن يكون فى غلظ أصبع لقول ابن مسعود:يجزى من السترة السهم،ولأن الغرض منه المنع من المرور ومادون ذلك لا يبدو للناظر من بعيد فلايمنع ويدنو من السترة لقوله صلى الله عليه وسلم من صلى إلى سترة فليدن منها،الخ.(بدائع الصنائع،فصل بيان مايستحب فى الصلاة ومايكره: ۲۱۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)/المبسوط للسرخسي،باب الحدث فى الصلاة: ۱۹۱/۱،دار المعرفة بيروت)

عن سبرة بن معبد الجهنى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:ليستر أحدكم فى صلاته ولو بسهم.(المعجم الكبير للطبرانى، الربيع بن سبرة عن أبيه (ح: ٦٥٤٠)/الآحاد والمثانى لابن أبى عاصم،سبرة بن معبد بن مجازة بن خديج بن ذهل (ح: ٢٥٧٠)/مصنف ابن أبى شيبة،قدر كم يستر المصلى؟ (ح:٢٨٦٢)

عن أبى جحيفة ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى بهم البطحاء وبين يديه عنزة، الظهر ركعتين والعصر ركعتين تمر بين يديه المرأة والحمار.(الصحيح للبخارى،باب سترة الإمام سترة من خلفه (ح: ٤٩٥)/سنن أبى داؤد، باب مايستر المصلى (ح:٦٨٨)

والعنزة عصاء فى أسفلها حديدة ويقال: العنزة قدر نصف الرمح أو أطول شيئاً فيها سنان مثل سنان الرمح والعكازة نحومنها، قيل:العنزة مادورنصله والآلة والحربة العريضة النصل.(شرح أبى داؤد للعينى،باب مايستر المصلى: ٢٤٥/٣، مكتبة الرشد الرياض. انيس)

نماز شروع ہونے سے پہلے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا:

سوال: کوئی شخص نماز پڑھنے سے قبل صفوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے ناف کے نیچے ایک دوسرے ہتھیلیوں کے اوپر رکھ کر کھڑا رہے، تو کیا یہ سنت کے خلاف ہے؟ اگر خلاف سنت ہے تو اس کی صحیح حدیثوں کے ذریعہ مدلل جواب سے ممنون فرمائیں؟

هو المصوب

نماز شروع ہونے سے قبل قیام کی حالت میں جب صف لگائی جارہی ہو، اس وقت ہاتھ باندھنا نہ مسنون ہے؛ بلکہ اختیار ہے، جس طرح چاہیں ہاتھ رکھیں، نہ مستحب، نماز سے قبل ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا ثبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہے اور نہ صحابہ کرام سے ہے، لہٰذا اس وقت ہاتھ باندھنے کو مسنون سمجھنا اور نہ باندھنے والے کو غلط سمجھنا درست نہیں ہے، لہٰذا ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے؛ تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نماز سے قبل نماز کی ہیئت بنانا شبہ کا باعث ہے، اسی لئے سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً پلٹ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۸۰)

نماز شروع کرتے وقت ”بسم اللّٰہ“:

سوال: جب کوئی مصلی پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں اور اگر حکم ہے تو کتب نماز میں درج کیوں نہیں؟ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً

کھڑے ہونے کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم نہیں، بلکہ الحمد شریف شروع کرنے کے وقت حکم ہے۔(۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۸-۵۸۹)

---

(۱) عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعاً على يمينه وعلى شماله. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الانصراف عن يمينه وعن يساره (ح: ۳۰۱) انيس)

(۲) ”و في ذكر التسمية بعد التعوذ إشارة إلى محلها فلو سمى قبل التعوذ أعادها بعده لعدم وقوعها في محلها، ولو نسيها حتى فرغ من الفاتحة، لايسمي لأجل فوات محلها“. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/۵۴۵، رشيدية)

ويسمي سراً أول كل ركعة لا بين الفاتحة والسورة. (مجمع الأنهر: ۱/۱۴۳، باب صفة الصلاة، فصل في الخشوع، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر کہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کب اٹھانے چاہئیں، پہلے یا بعد میں یا ساتھ ساتھ؟

الجواب

تینوں قول منقول ہیں، پہلے کا بھی، بعد کا بھی، ساتھ ساتھ کا بھی؛ لیکن راجح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔

(ورفع يديه)قبل التكبير وقيل معه،آه.(الدر المختار)

قوله:(قبل التكبير وقيل معه)الأول نسبه فى المجتمع إلٰى أبى حنيفة ومحمد وفى غاية البيان إلٰى عامة علمائنا وفى المبسوط إلٰى أكثر مشايخنا وصححه فى الهداية والثانى اختاره فى الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط،بأن يبدأ بالرفع عند بداء ته التكبير ويختم به عند ختمه وعزاه البقالى إلٰى أصحابنا جميعاً،ورجحه فى الحلية وثمة قول ثالث وهو أنه بعد التكبير والكل مروى عنه عليه الصلاة و السلام وما فى الهداية أولٰى كما فى البحر والنهر ولذا اعتمده الشارع فافهم،آه.(ردالمحتار: ٤٥/١)(١)**فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۴۰)

تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں:

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو نیچے لے جاتے ہیں؛ یعنی رانوں کے برابر کر لیتے ہیں اور پھر باندھتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں، بلکہ ہاتھ باندھ لیں۔

(ويسن وضع الرجل يده اليمنٰى) كما فرغ من التكبير للإحرام بلا إرسال،آه.(٢)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۷/۱۱/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۳)

(١) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:فى حديث:الأذان جزم،انيس

عن أبى قتادة قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه ثم يكبر حتى يقر كل عظم فى موضعه،الخ.(سنن الدارمى باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح:١٣٩٦)

عن ابن عمر قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر،الخ.(الصحيح لمسلم،باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين (ح:٣٩٠)

عن مالك بن الحويرث أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذى أذنيه وإذا أراد أن يركع وإذا رفع رأسه من الركوع.(سنن الدارمى فى رفع اليدين فى الركوع والسجود (ح:١٢٨٦)انيس)

(٢) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ١٤٠ (كتاب الصلاة،فصل فى بيان سننها،انيس)

==

تکبیراتِ انتقال کہنے کا طریقہ:

سوال: بہت سے ائمہ حضرات جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھنے کے بعد "اللّٰــه أكبــر" کہتے ہیں اور سجدہ وقعدہ سے آدھی دور تک اٹھنے کے بعد "الله أكبر" کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(عبدالغفور، فیل خانہ)

الجواب

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر "اللّٰــه أكبر" کہتے، (۱) اس لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، "اللّٰــه أكبر" کہتے ہوئے ہاتھ نیچے لائے اور باندھ لے۔ (۲)

اسی طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے جو تکبیرات اور اذکار ہیں، ان کے سلسلہ میں بھی اصول یہی ہے کہ جونہی اگلے رکن کی طرف منتقل ہونا شروع ہو، "اللّٰه أكبر" کہنا شروع کرے اور دوسرے رکن میں پہنچنے تک تکبیر ختم کرلے، جب قیام سے رکوع میں جائے تو جونہی جھکے تکبیر شروع کرلے اور رکوع کی کیفیت میں پہنچنے سے پہلے تکبیر ختم کردے۔

"فيبتدئ بالتكبير مع إبداء الانحناء ويختمه بختمه". (۳)

اسی طرح دوسرے ارکان میں بھی تکبیرات کہنی ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۷۴-۱۷۵)

تکبیر تحریمہ، رفع یدین اور تکبیرات انتقالات کا صحیح طریقہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس بارے میں کہ تکبیر تحریمہ جو فرض ہے، اس کو ہاتھ باندھنے سے پہلے کہے یا ہاتھ باندھنے کے بعد۔

(۱) اگر کوئی امام کان تک ہاتھ اٹھالینے کے بعد، یا ناف تک ہاتھ لانے کے بعد، تکبیر تحریمہ کہے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

== عن وائل بن حجر رضی الله عنه قال: رمقت النبی صلی الله علیه وسلم فلما افتتح الصلاة رفع یدیه حتی بلغ بهما أذنیه وكبر ثم وضع یده الیمنٰی علی الیسرٰی ،الخ. (مسندالبزار، مسند وائل بن حجر (ح: ۴۴۸۵) انیس)

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۳۸، باب إلی أین یرفع یدیه/الصحیح لمسلم، حدیث نمبر: ۳۹۰، باب استحباب رفع الیدین الخ. محشی

(۲) البحر الرائق: ۱/۳۰۵.

(۳) مراقی الفلاح: ۱۰۴ (كتاب الصلاة، فصل فی كیفیة ترتیب أفعال الصلاة، انیس)

(۲)　اگر امام ناف تک ہاتھ لانے کے بعد تکبیر شروع کرے اور ہاتھ باندھنے کے بعد تکبیر پوری کرے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۳)　نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کا آغاز کب کرے اور تکبیر پوری کب کرے؟

(۴)　رکوع اور سجدہ کی تکبیرات کا صحیح وقت کونسا ہے؟ اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۵)　اگر امام ہر نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ یعنی تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱)　پہلے رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھ کان تک اٹھا کر تکبیر شروع کرے اور تکبیر ختم ہونے پر دونوں ہاتھ باندھ لے۔

(۲)　تکبیر اور رفع یدین دونوں ساتھ ساتھ شروع کرے اور دونوں ساتھ ساتھ ختم کرے۔

(۳)　پہلے تکبیر شروع کرکے ہاتھ اٹھا کر ساتھ ساتھ ختم کرے۔

وفيه ثلثة أقوال: القول الأول:　أنه يرفع مقارنا للتكبير وهو المروى عن أبى يوسف قولاً والمحكى عن الطحاوى فعلاً واختاره شيخ الإسلام وقاضى خان وصاحب الخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط حتٰى قال البقالى: هٰذا قول أصحابنا جميعا. ويشهد له المروى عنه عليه الصلاة والسلام أنه كان يكبر عند كل خفض ورفع وما رواه أبو داؤد أنه صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه مع التكبير وفسر قاضى خان المقارنة بأن تكون بداء ته عند بدأته وختمه عند ختمه.

القول الثانى:　وقته قبل التكبير ونسبه فى المجمع إلٰى أبى حنيفة رحمه الله ومحمد رحمه الله، وفى غاية البيان إلٰى عامة علمائنا وفى المبسوط إلٰى أكثر مشايخنا، وصححه فى الهداية. ويشهد له ما فى الصحيحين عن ابن عمر قال كا ن النبى صلى الله عليه وسلم إذا فتتح الصلاة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه ثم كبّر.

القول الثالث:　وقته بعد التكبير فيكبر أولاً ثم يرفع يديه ويشهد له ما فى الصحيح لمسلم أنه صلى الله عليه وسلم كا ن إذا صلٰى كبر ثم رفع يديه. (البحر الرائق: ۱/۳۰۵. الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/٤٦٥)(۱)

مذکورہ صور ثلثہ میں پہلی دوسری صورت افضل ہے، تیسری صورت بھی جائز ہے، لیکن معمول بہا نہیں ہے۔

(۱)　كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انيس

وا لأصح أنه يرفع يديه أو لاثم يكبر لأن فعله نفي الكبرياء عن غير اللّٰه تعالىٰ و النفي مقدم (على الايجاب)(الهداية: ٦٨/١ ⁄ ردالمحتار ⁄ البحر الرائق)(١)

''جوہرۃ''میں ہے اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے جب ہاتھ کان کے برابر پہنچ جائے تب تکبیر شروع کرے۔

والأصح أنه يرفع أولاً فاذااستقرتافى موضع المحاذاة كبر. (الجوهرة: ٤٩/١)(٢)

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی؛لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر میں تاخیر کرنا یعنی ہاتھ باندھ کر تکبیر کہنے کی عادت کرلینا غلط اور مکروہ ہے۔ یہ وقت ہے ثنا پڑھنے کا،نہ کہ تکبیر کہنے کا،تکبیر ہاتھ باندھنے پر ختم کردی جائے،ہاتھ باندھنے تک تاخیر کرنے میں دوسری خرابی یہ ہے کہ کم سننے والا اور بہرا مقتدی،امام کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا،تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی وجہ سے اس کی اقتدا اور نماز صحیح نہ ہوگی،اگر لفظ اللہ کہنے میں مقتدی پہل کرے بلکہ لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے لیکن لفظ اکبر کو امام کے ختم کرنے سے پہلے مقتدی ختم کردے تب بھی اقتدا درست نہ ہوگی۔

"**فلوقال اللّٰه مع الإمام وأكبرقبله (أى قبل فراغه)لم يصح.** (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤٤٨/١)(٣)

لہٰذا امام کو چاہیے کہ یہ عادت ترک کردے۔

رکوع اور سجدے کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع میں جاتے وقت تکبیر بھی ساتھ ساتھ شروع کردے اور ساتھ ساتھ ختم کرے،اسی طرح سجدے میں جاتے وقت بھی تکبیر ساتھ ساتھ شروع کرے اور ساتھ ہی ختم کرے، رکوع وسجدہ میں پہونچنے کے بعد تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور اس میں دو کراہتیں بھی لازم آتی ہیں،ایک کراہت کے وقت کو ضائع کرنے کی اور دوسری کراہت بے وقت تکبیر کہنے کی؛ کیونکہ یہ وقت رکوع وسجدے کی تسبیح پڑھنے کا ہے، تکبیر کا نہیں۔

"**(فلما فرغ من القراءة يخر راكعًا يكبر تكبيرًا وينبغي أن يكون إبتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ) منه عندالاستواء وبعضهم قالوا إذاأتم القراءة حالة الخرورلابأس به بعد أن يكون ما بقى من القراءة حرفاً أوكلمة والأول أصح.** (منية المصلى:٨٨)(٤)

وفى موضع آخروأن يأتى بالأذكارالمشروعة فى الانتقالات بعد تمام الانتقال وفيه كراهتان تركها عن موضعه وتحصيلها فى غيرموضعه. (الكبيرى: ٣٤٥)(فتاویٰ رحیمیہ:۱۹/۳-۲۱)

(۱-۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

(۳) باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة،انيس

(۴) الكبيرى،باب صفة الصلاة : ٣١٤،انيس

تکبیرات انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع، سجدہ میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب

تکبیرات انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے اور اس کے خلاف کرنا، خلاف مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو؛ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قوله: ثم يكبر حين يركع ... دليل على مقارنة التكبير لهذه الحركات وبسطه عليها، فيبدأ بالتكبير حين يسرع في الانتقال إلى الركوع ويمده حتى يصل إلى حد الراكعين. ثم يشرع في تسبيح الركوع، ويبدأ بالتكبير حين يسرع في الهوى إلى السجود ويمده حتى يضع جبهته على الأرض، ثم يسرع في تسبيح السجود. وفيه: يبدأ في قوله: سمع الله لمن حمده، حتى يسرع في الرفع من الركوع، ويمد حتى ينتصب قائمًا، ... وفيه: أنه يسرع في التكبير للقيام من التشهد الأول ويمده حتى ينتصب قائمًا. (عمدة القارى: ٥٤٢/٤، دار الحديث ملتان)(١)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراءة ينحط للركوع ويكبر مع الإنحطاط... لما روى عن على رضى الله عنه وابن مسعود رضى الله عنه وأبى موسىٰ الأشعرى رضى الله عنه وغيرهم أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يكبر عند كل خفض ورفع وروى أنه كان يكبر وهو يهوى والواو للحال ولأنه الذكر سنة فى كل ركن ليكون معظمًا لله تعالىٰ فيما هو من أركان الصلاة بالذكر كما هو معظم له بالفعل فيزداد معنى التعظيم والانتقال من ركن إلى ركن بمعنى الركن لكونه وسيلة إليه فكان الذكر فيه مسنونًا. (بدائع الصنائع: ٢٠٧/١، سعيد)(٢)

مرقات میں ہے:

قوله (ثم يكبر حين يرفع رأسه) أى من السجود قال ابن الهمام: وفيه ترجيح مقارنة الانتقال بالتكبير كما هو فى الجامع الصغير. (مرقات المفاتيح: ٢٦٠/٢/وكذا فى الفتاوىٰ الهندية: ٧٤/١)(٣)

والله سبحانه تعالىٰ أعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۴۱/۲-۱۴۲) ☆

(١) كتاب الأذان، باب يهوى بالتكبير حين يسجد (ح: ٨٠٤) انيس

(٢) فصل فى سنن الصلاة، انيس

(٣) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة (ح: ٧٩٩) انيس

==

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ترکیب:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا شرطیں ہیں؟ ہمارے مدرسہ کے مدرس مولوی حیدرعلی کہتے ہیں کہ جولوگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور چوتڑ اٹھا کر سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی؛ بلکہ عورتوں کی طرح سجدہ کرنا چاہئے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ قول ان کا غلط ہے، مردوں کو عورتوں کی طرح نماز نہ پڑھنی چاہئے، مردوں کو سجدہ میں پچھلا حصہ اٹھانا چاہئے۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۹/۲)

☆ رکوع وسجدہ کی تکبیر کی ابتدا وانتہا کی تعیین:

سوال: رکوع اور سجدہ کی تکبیر کی ابتدا کہاں سے ہونی چاہئے اور اس کی انتہا کہاں ہونی چاہئے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

رکوع کے لئے جب جھکنا شروع کرے تو رکوع کی تکبیر کی ابتدا کرے اور جھکنے کے اختتام پر تکبیر کی انتہا کرے، اسی طرح سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کی ابتدا ہونی چاہئے اور پیشانی کے رکھنے کے وقت تکبیر کی انتہا ہونی چاہئے۔

"(ثم كبر كل مصل (راكعًا) فيبتدي بالتكبير مع ابتداء الانحناء ويختمه بختمه...(ثم كبر) كل مصل (خارًا للسجود) ويختمه عند وضع جبهته للسجود. (مراقي الفلاح: ۱۸۹) كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، انيس) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۴۰/۲)

(۱) ويضع يديه في السجود حذاء أذنيه، الخ، ولا يفترش ذراعيه ويجافي بطنه عن فخذيه والمرأة لاتجافي في ركوعها وسجودها وتقعد علىٰ رجليها وفي السجدة تفترش بطنها على فخذيها. (الفتاوىٰ الهندية: باب رابع صفة الصلوٰة، الفصل الثالث: ۷۰/۱، ظفير) (في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، انيس)

ويظهر عضديه، الخ، ويباعد بطنه عن فخذيه، الخ، (والمرأة تنخفض) فلا تبدي عضديها (وتلصق بطنها بفخذيها)، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة، فصل في تأليف الصلوٰة: ۴۷۰/۱، ظفير) (فروع إذا قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: في حديث طويل ... وكان (رسول الله صلى الله عليه وسلم) يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ وكان ينهى عن عقبة الشيطان وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلاة بالتسليم. (الصحيح لمسلم، باب مايجمع صفة الصلاة ومايفتتح به. (ح:۴۹۸)

عن إبراهيم أنه كان يفترش رجله اليسرىٰ يصعها بين إليتيه وينصب اليمنىٰ فيقعد عليها في الصلاة ويكره أن يقعد على اليمنىٰ إلا من عذر. (كتاب الآثار لأبي يوسف (ح:۳۲۸): ۶۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

عن ميمونة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد جافى حتى لو شاء ت بهمة تمر تحته لمرت. (سنن الدارمي، باب التجافي سي السجود (ح:۱۴۶۹)/سنن أبي داؤد، باب صفة السجود (ح:۸۹۸) انيس)

بیٹھ کے نماز پڑھنے والا کیسے بیٹھے:

سوال: جو معذور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو، اس کے لئے بیٹھنے کا کوئی خاص طریقہ منقول ہے، یا جیسے چاہے، بیٹھ جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مشقت نہ ہوتو بحالتِ التحیات بیٹھنا بہتر ہے اور اگر اس طرح بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہوتو پھر جیسے آسانی ہو، بیٹھ جائے۔

(ثم المريض يقعد فى الصلاة من أولها إلٰى آخرها كما يقعد فى التشهد)إن استطاع ذكر السروجي أن هٰذا قول زفر(و) نقل عن أبي الليث رحمه اللّٰه أنه (عليه الفتوىٰ)؛لأنه القعود المعهود فى الصلاة وقال قاضى خان رحمه اللّٰه يقعدكيف شاء فى رواية محمد عن أبى حنيفة إلٰى قوله والظاهر ما أفتٰى به أبو الليث كما ذكره المصنف عند عدم حصول المشقة به والتخيير عند حصولها به،آه. (كبيرى: ٢٦٤)(۱)**فقط واللّٰه أعلم**

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ-۱۳/۷/۱۴۰۷ھ۔

احقر محمد انور عفااللہ عنہ، مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان۔ (خیرالفتاویٰ:۲/۲۷۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اس سلسلہ میں ایک غلط روایت:

سوال: ''**من صلّٰى قاعدًا لايرفع الإليتين فى الركوع والسجود فإن رفع إليتين فيهما تفسد صلاته،الخ**''یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ روایت خلاف قواعد ہے اور بے اصل ہے اور کسی کتاب معتبر میں نہیں ہے؛ بلکہ کتب فقہ میں جو عام حکم سجدہ کے بارے میں ہے''**ويظهر عضديه ويباعد بطنه عن فخذيه**''.(الدر المختار)(۲)

یہ حکم سجدہ مصلی قائم اور قاعد دونوں کو شامل ہے اور رفع الیتین اس میں لازم ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۱)

---

(۱) كتاب الصلاة،فرائض الصلاة،الثانى:القيام،انيس

(۲) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة،فصل إذا أراد الشروع: ۱/٤٧٠،ظفير

عن أنس رضى اللّٰه عنه أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال:اعتدلوا فى السجود ولايفترش أحدكم ذراعيه افتراش الكلب.(سنن أبى داؤد،باب صفةالسجود (ح:٨٩٧)انيس)

قعدہ میں سیدھا پاؤں کھڑا نہ رکھ سکے یا بلا عذر اس کی عادت بنالے تو کیا حکم ہے:

سوال: ہمارے امام صاحب کے پیر میں چوٹ لگ گئی، اس کی وجہ سے جب وہ قعدہ میں بیٹھتے ہیں تو سیدھا پاؤں کھڑا رہ کر انگلیاں قبلہ رخ نہیں رکھ پاتے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا نماز میں کوئی کراہت پیدا ہوگی؟ اسی طرح جب وہ تقریر کرتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا، اس وجہ سے بھی لوگ نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تو ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مرد کے لئے قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے، بلا عذر مسنون طریقہ کے خلاف بیٹھنا مکروہ ہے، البتہ عذر کی وجہ سے اس طرح نہ بیٹھ سکے تو کراہت نہیں۔

(و)يسن(افتراش)الرجل(رجله اليسرىٰ ونصب اليمنىٰ)وتوجيه أصابعها نحو القبلة كما ورد عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما. (مراقى الفلاح مع الطحطاوى:١٤٦سنن الصلوة)(۱)

مکروہات الصلوۃ میں ہے:

(والتربع بلا عذر) لترك سنة القعود (قوله:بلاعذر) أمابالعذرفلا كراهة لأن العذريبيح ترك الواجب فأولىٰ السنة (قوله:لترك السنة القعود) هذا يفيد أنه مكروه تنزيهًا أفاده الشرح. (مراقى الفلاح مع طحطاوى:١٩٢)(۲)

صورت مسئولہ میں اگر آپ کے امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے سنت طریقہ کے مطابق نہ بیٹھ سکیں تو نماز میں کوئی کراہت پیدا نہ ہوگی، ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر بلا عذر اس طرح بیٹھتے ہوں اور اس کی عادت بنالی ہو، تو اس طرح بیٹھنا مکروہ ہوگا، ان کو چاہئے کہ اپنی اصلاح کرلیں اور سنت طریقہ اختیار کریں، تقریر کرنا اور تعلیم کرنا ان پر لازم اور ضروری نہیں ہے اور اس مقصد کے لئے ان کا تقرر بھی نہیں کیا گیا ہے، اگر وہ نماز میں قرآن مجید تجوید کے مطابق صحیح صحیح پڑھتے ہوں اور سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھاتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۹۷-۹۸)

---

(۱) عن وائل بن حجر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس فى الصلاة أضجع رجله اليسرىٰ وقعد عليها وينصب رجله اليمنىٰ. (مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى، كتاب الصلاة (ح: ٣٦)الآداب مصر/مسند الحميدى، حديث وائل بن حجر الخضرمى رضى الله عنه (ح:٩٠٩)انيس)

(۲) عن عبد الله بن عبدالله بن عمر أنه كان يرى عبدالله بن عمر يتربع فى الصلاة إذا جلس، قال: ففعلته وأنا يومئذ حديث السن فنهانى عبدالله وقال: إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنىٰ وتثنى رجلك اليسرىٰ، ==

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالت رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے،(**حتٰی یحاذی جبهته رکبتیه**) اوراس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا اور سجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے،اسی طرح کرے اوراس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويعتمد بيديه على الأرض؛لأن وائل بن حجررضی اللّٰه عنه وصف صلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وعلٰى آله وسلم فسجد وأدعم على راحتيه ورفع عجيزته. (الهداية: ١٠٨/١، باب صفة الصلاة شركة علمية)(١)

البحر الرائق میں ہے:

قوله:(وجافى بطنه عن فخذيه)أى باعده لحديث مسلم:كان إذا سجدجافى بين يديه حتى لوأن بهيمة أرادت أن تمربين يديه مرت ولحديث أبى داؤد فى صفة صلا ته عليه الصلاة والسلام: و إذا سجد فرج بين فخذيه غيرحامل بطنه على شىء من فخذيه ... والمجافاة أن يظهر كل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها على بعض.(البحر الرائق: ٣٢٠/١،كوئٹة) (٢)

== فقلت له:فإنك تفعل ذلك،فقال:إن رجلى لا تحملانى.(موطأالإمام مالك،ت:عبدالباقى،باب العمل فى الجلوس فى الصلاة (ح:٥١)دارإحياء التراث العربى بيروت.انيس)

(١) عن البراء بن عازب أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يضع وجهه بين كفيه إذا سجد.(مسند أبى يعلى الموصلى،مسندالبراء بن عازب (ح:١٦٦٩)

عن أبى إسحاق قال:وصف لنا البراء بن عازب فوضع يديه واعتمد على ركبتيه ورفع عجيزته وقال هكذا كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسجد.(سنن أبى داؤد،باب صفة السجود (ح:٨٩٦))انيس)

(٢) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انيس

عن ميمونة بنت الحارث قالت:كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد جافى حتى من خلفه وضح إبطيه، قال وكيع:يعنى بياضهما.(الصحيح لمسلم،باب مايجمع صفة الصلاة وما يفتتح به (ح:٤٩٧)

وفى رواية عن ميمونة رضى اللّٰه عنها أنها قالت:كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد لو شاء ت بهمة أن تمر بين يديه لمرت.(المرجع السابق،ح:٤٩٦)

حديث أبى داؤد فى باب افتتاح الصلاة رقم الحديث:٧٣٥.انيس

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن ركع جالساً ينبغي أن يحاذي بجبهته ركبتيه،أبو السعود. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار ، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۰۳،سعيد)

شامی میں ہے:

(ومنها الركوع)... وفي حاشية الفتال عن البرجندي: ولوكان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع،اهـ.قلت:ولعله محمول على تمام الركوع،وإلا فقد علمت حصوله بأصل طاطأة الرأس أي مع انحناء الظهر، تأمل. (ردالمحتار: ۱/ ۴۴۷،باب صفة الصلاة)(۱)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن ركع جالساً ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع.ولعل مراده انحناء الظهر عملا بالحقيقة لا أنه يبالغ فيه حتى يكون قريباً من السجود. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲۲۹، قديمي)(۲)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۹۵/۲) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۵۰/۲-۱۵۱)

بیٹھ کر نماز پڑھے تو حالت قعود ورکوع میں نگاہ کہاں رکھے:

سوال: جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے وہ بیٹھنے کی حالت میں اپنی نظر کس جگہ رکھے اور جب رکوع کرے تو کہاں نظر کرے؟

الجواب

جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھنے کی حالت میں اس کے لئے فقہا نے یہ مستحب لکھا ہے کہ حجر کی طرف نظر کرے اور حجر کے معنی کئی ہیں: گود کے بھی ہیں اور پہلو وغیرہ کے بھی ہیں اور شامی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اپنا کرتہ وغیرہ جو سامنے ہے اس کو دیکھے۔غرض یہ ہے کہ جس میں خشوع حاصل ہو اور ایک طرف نظر ہو اور اِدھر اُدھر نہ ہو وہ امر کرے اور یہ بھی شامی میں ہے کہ اندھیرے میں اور نابینا آدمی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا خیال کرے۔(۳)

---

(۱) مطلب:قديطلق الفرض على ما يقابل الركن وعلى ما ليس بركن ولا شرط،بحث الركوع والسجود،انيس

(۲) باب شروط الصلاة وأركانها،انيس

(۳) نظره إلى موضع سجوده حال قيامه الخ وإلى حجره حال قعوده.(الدرالمختار)

(قوله:إلى حجره)مابين يديك من ثوبك،قاموس،وقال أيضاً:الحجرمثلثة:المنع وحضن الإنسان،==

اس کے بعد واضح ہو کہ فقہا نے بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کے لئے بحالت رکوع کوئی مقام نظر کیلئے معین نہیں کیا۔لہٰذا اس کے لئے یہی مستحب ہوگا کہ رکوع میں جہاں نظر پڑے، وہیں نظر رکھے اور **متوجہ إلٰی اللّٰہ** ہو، اصل حکم یہی ہے کہ تمام نماز اس طرح پڑھے گویا اللہ کو دیکھتا ہے۔ **کما ورد: أن تعبد اللّٰہ کأنک تراہ.** (الحدیث)(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۲۱۴-۲۱۵) ☆

رکوع، سجدہ اور سلام کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے:

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

الجواب

حالت سجدہ میں ناک کی طرف حالت رکوع میں ظاہر قدم پر اور داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیل فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔ درمختار میں ہے:

ولها آداب... (نظره إلٰی موضع سجوده حال قیامه، وإلٰی ظهر قدمیه حال رکوعه، وإلٰی أرنبة أنفه حال سجوده، وإلٰی حجره حال قعوده، وإلٰی منکبه الأیمن والأیسر عند التسلیمة الأولٰی و الثانیة لتحصیل الخشوع. (الدر المختار: ۱/۴۷۷، سعید)(۲)

امداد الفتاح میں ہے:

ونظر المصلی إلٰی موضع سجوده قائمًا وإلٰی ظاهر القدم راکعًا لأنه أدعی إلی الخشوع و نظره إلٰی أرنبة أنفه ساجدًا لأن تصویب النظر إلیها أقرب إلی الخشوع... ولئلا ینظر إلٰی مایشغله

== والمناسب هنا الأول لأنه فسر الحضن بمادون الإبط إلٰی الکشح أو الصدر والعضدان، الخ (قوله: لتحصیل الخشوع) علة الجمیع؛ لأن المقصود الخشوع وترک التکلف، الخ، وإذا کان فی الظلام أو کان بصیراً یحافظ علیٰ عظمة اللّٰه تعالیٰ؛ لأن المدار علیها. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل آداب الصلاة: ۱/۴۴۶، ظفیر)

(۱) مشکوٰة، کتاب الإیمان، فصل أول رقم الحدیث: ۲. ظفیر

☆ بیٹھ کر نماز میں نظر کہاں رکھیں:

سوال: نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے میں تلاوت کے وقت نگاہ سجدہ کی جگہ بہتر ہے یا گود میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

گود میں مناسب ہے۔ ("وإلٰی حجره حال قعوده". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، آداب الصلاة: ۱/۴۷۸، سعید) فقط (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۴۸)

(۲) باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انیس

عمـا هـو فيه من الخشوع استحضارًا لعظمة مولاه...ويكون ملاحظًا قوله صلى الله عليه وسلم "اعبـد اللّٰـه كأنک تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراک" وإلى المنكبين مسلمًا فينظر إلٰى أيمنه في الأول، وإلٰى أيسـره في الثاني، لأن المقصود الخشوع، وترک التكلف فإذا تركه صار ناظرًا إلٰى هـذه المواضع قصد أو لم يقصد. (إمداد الفتاح: ٣٠٦ ،بيروت/وكذا في البحر الرائق: ٣٠٤/١، كوئٹه/ ومراقي الفلاح: ١٠٢ ،مكة المكرمة/والطحطاوي: ٢٧٧/وبدائع الصنائع: ٢١٥/١ ،سعيد/والفتاوىٰ الهندية: ٧٢/١)(١) والله سبحانه تعالىٰ أعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۶۳/۲-۱۶۴)

سورہ کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ پڑھے، تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز میں سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملا لے؛ یعنی سورہ کوثر میں "هـو الأبتـر اللّٰه أكبر" اور سورۂ اخلاص میں "كُـفُـوًا اَحَـدٌ الله أكبر" پڑھ کر رکوع کرے تو نماز میں کوئی خرابی پیدا ہوگی یا نہیں؟

الجواب

جہاں سورۃ کا آخری حرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا ہو، وہاں تکبیر کے ساتھ ملا سکتے ہیں اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں وصل نہ کیا جائے۔ لہٰذا "كُـفُـوًا اَحَدٌ الله أكبر" پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر "هـو الأبتر الله أكبر" نہ پڑھنا چاہئے "هو الابتر" پر وقف کر کے رکوع کی تکبیر کہے۔

إذا فرغت من القرأة وتريد أن تكبر للركوع إن كان الختم بالثناء فالوصل بالله أكبر أولىٰ ولو لـم يكـن بـالثناء فالفصل أولىٰ كقوله تعالىٰ إنّ شانئک هو الأبتر، هٰكذا في التتارخانية .(الفتاوىٰ الهندية: ٨١/١)(٢)(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۸۴/۱-۱۸۵)

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا:

سوال: قومہ سے جاتے ہوئے ہاتھوں کو کس ہیئت پر رکھا جائے گا، آیا "وضـع اليـدين على الركبتين" پر عمل کیا جائے گا یا ارسال یدین پر عمل کیا جائے گا؟ نیز بہشتی زیور کی عبارت کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سجدہ میں جائے، (۳) اس پر نہ کوئی حاشیہ اور نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے، نیز فقہاء کرام نے بھی اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں

(١) عـن ابـن سيـريـن قـال: كـان الـنبي صلى الله عليه وسلم يرفع بصره إلى السماء فأمر بالخشوع فرفع بصره نحو مسجده. (مصنف عبدالرزاق الصنعاني، باب رفع الرجل بصرى إلى السماء (ح: ٣٢٦١) انيس)

(٢) الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، انيس

(۳) بہشتی زیور، حصہ یازدہم، فرض نماز کے بعد مسائل، ص: ۵۲۷، دارالاشاعت، کراچی

کیا، کسی فقہی کتاب سے یہ مسئلہ ثابت نہیں۔ پھر علمائے ہند حالت مذکور میں وضع کو مستحب اور علمائے پاکستان ارسال کو افضل کیوں بتاتے ہیں؟ جیسے کہ احسن الفتاوی کی عبارت سے ظاہر و باہر ہے۔(۱)

پس وضع یا ارسال اگر کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو، تحریر فرمائیں، نیز افضل ومفضول کو بھی تحریر فرمائیں، نیز دونوں شقوں میں سے کونسی شق پر عمل کرنا زیادہ اولی وانسب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

صراحۃً یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا، معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کورانوں اور گھٹنوں پر رکھ؛ یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔

"ویمکن أن یشم راحة الاستدلال من حدیث :"استعینوا بالرکب، آھ". (الجامع الصغیر) (۲)

فقط واللّٰہ تعالی أعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند-۲۲/۷/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۱۷-۶۱۸)

سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے:

سوال: رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مزید دو قباحتیں ہیں۔

(۱) عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) قومہ سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جاتا ہے، لہٰذا یہ عادت سبب ترک سنت ہونے کی وجہ سے قابل احتراز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/رجب ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۰)

---

(۱) **أحسن الفتاوی، باب صفة الصلوٰة ومایتعلق بھا: ۳/۵۰، سعید**

(۲) **عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه قال: إشتکی أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إلی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مشقة السجود علیهم إذا تفرجوا، فقال: "استعینوا بالرکب".** (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود: ۱/۶٤، سعید)/(ح: ۲۸٦) انیس

سجدہ کا طریقہ:

سوال (الف) کیا سجدہ میں دونوں پیر زمین سے اٹھا کر رکھنے کی صورت میں نماز ہو جاتی ہے؟
(ب) سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہئے، یا پھیلا کر؟
(ج) سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں یا دونوں گھٹنے؟

(این، محمد شرف الدین ارشد، مشیر آباد)

الجواب

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، ان میں ایک دونوں پاؤں بھی ہے،(۱) لہٰذا اگر کسی شخص نے سجدہ کیا اور بلا عذر پاؤں زمین پر نہیں رکھا، تو اس کا سجدہ درست نہیں ہوگا، اگر ایک پاؤں زمین پر رکھا اور ایک اٹھائے رکھا، تو سجدہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن یہ صورت مکروہ ہے، پاؤں رکھنے سے مراد پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا ہے، اگر پاؤں کی انگلیوں کے بجائے تلوے کے مقابل پاؤں کے اوپری حصہ کو زمین پر رکھا تو یہ کافی نہیں، انگلی نہیں رکھی تو بھی سجدہ ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ پاؤں کے رکھنے کا مقصود انگلیوں کو قبلہ کی سمت متوجہ رکھنا ہے:

أنّ المراد بوضع الأصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها وإلا فهو وضع ظهر القدم. (۲)

(ب) سجدہ میں ہاتھ اس طرح رکھنا چاہئے کہ انگلیاں ملی ہوئی ہو، "**ضاما أصابع يديه**" (۳) رکوع میں انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجدہ کی حالت میں ملا کر رکھنا مسنون ہے، دوسرے مواقع پر حالتِ اعتدال میں رکھنا چاہئے، یعنی اس کیفیت پر جس پر عام طور پر انگلیاں ہوا کرتی ہیں۔(۴)

(ج) سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمین سے جو عضو جتنا قریب ہو، اسی ترتیب سے اعضاءِ سجدہ زمین پر رکھے جائیں؛ یعنی پہلے گھٹنہ، پھر ہاتھ، اس کے بعد ناک، پھر آخر میں پیشانی۔

"**إذا أراد السجود يضع أولاً ما كان أقرب إلى الأرض**". (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۳-۱۸۴)

(۱) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۲۷۲۔

(عن العباس بن المطلب أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب (وفي رواية: أطراف) وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه. (باب ماجاء في السجود على سبعة أعضاء) الصحيح لمسلم، باب أعضاء السجود (ح: ٤٩١) انيس)

(۲-۳) رد المحتار: ۲/۲۰۳، زكريا/ كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: في إطالة الركوع للجائي، انيس

(۴) الكبيري شرح منية المصلي: ۲۸۰۔

(۵) الفتاوى الهندية: ۱/۷۵ (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، انيس) ==

سجدہ میں ہاتھ کس طرح رکھیں:

سوال: سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کہنی تک زمین پر بچھائے رکھنے سے کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (محمد عبدالمنعم ،نرمل)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھایا جائے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کتے کے بچھانے کی طرح اپنے ہاتھ نہ بچھایا کرے۔(۱)

سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ زمین سے الگ رہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے جاتے تو ہاتھ کا زمین اور بازو کا پہلو سے اتنا فاصلہ ہوتا کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آجاتی۔

" كان إذاصلى فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه". (۲)

البتہ عورتیں بازو کو پہلو سے اور پیٹ کو رانوں سے ملا کر اور سمٹ کر نماز ادا کریں گی،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہدایت فرمائی ہے،(۳) اور خواتین کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۴-۱۸۵)

== عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كان يضع ركبتيه إذا سجد قبل يديه ويرفع إذا رفع قبل ركبتيه". (مصنف ابن أبي شيبة : ۲۳٦/۱ ،رقم الحديث: ۲۷۰٦) محشي (كتاب الصلاة،في الرجل إذا الخط إلى السجود أى شئ يقع منه قبل إلى الأرض،انيس)

(۱) سنن نسائي،عن أنس،رقم الحديث: ۱۱۰۳،باب النهي عن بسط الذراعين في السجود (عن أنس عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:لا يفترش ذراعيه في السجود إفتراش الكلب. (انيس)

"عن عبد اللّٰه بن سعيد عن جده عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يرفعه أنه قال:إذاسجد أحدكم فليبدئ بركبتيه قبل يديه ولايبرك بروك الفحل". (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۳٦/۱،رق الحديث: ۲۷۰۲. محشي. (كتاب الصلاة،في الرجل إذا الخط إلى السجود أى شئ يقع منه قبل إلى الأرض،انيس)

(۲) صحيح البخاري،رقم الحديث: ۳۹۰. محشي. (كتاب الصلاة،باب يبدئ ضبعيه ويجافى في السجود،انيس)

(۳) سنن البيهقي: ۲۲۳/۲۲ - ۲۲۲۔

قال إبراهيم النخعي:كانت المرأة تؤمر إذا سجدت أن تلزق بطنها بفخذيها كيلا ترتفع عجزتها ولا تجافى كما يجافى الرجل. (سنن البيهقي الكبرىٰ،باب مايستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسجود (باب: ۳۰۵)انيس)

(۴) عن عبداللّٰه بن عمر قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرىٰ وإذا سجدت ألصقت بطنها في فخذيها كأستر مايكون لها وإن اللّٰه تعالىٰ ينظر إليها ويقول:يا ملائكتي أشهدكم أني قد غفرت لها. (سنن البيهقي الكبرىٰ، باب مايستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسجود (ح:۳۱۹۹)انيس)

سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کیسے رہیں:

سوال: سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں آپس میں کیسے رہیں؟

حامداو مصليًا الجواب ـــــــــ وباللّٰه التوفيق

سجدہ کی حالت میں دونوں طریقے جائز ہیں؛ خواہ دونوں پاؤں ملے ہوئے رہیں، یا کچھ فاصلے پر رہیں۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳)

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے، مثلاً: صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی وغیرہ میں حدیث موجود ہے: "**فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه**". اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ

یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے؛ لیکن یہ الفاظ "**فوجدته ساجداً راصاً عقبيه**" صرف یحیٰ بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں، لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔

حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔

(۱) **الإسناد الأول: ابن خزيمة (٦٥٤)، ابن حبان: (١٩٣٣) شرح معاني الأثار: (٢٣٤/١) الحاكم: (٢٢٨/١) البيهقي في الكبير: (١١٦/٢) ابن عبد البر في التمهيد: (٣٤٨/٢٣) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبي مريم عن يحي بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبي النصر عن عروة عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها.**

سعيد بن أبي مريم	**متفرد**
يحيىٰ بن أيوب	**علل الذهبي أحاديثه**
	رد أحمد روايته في الوتر ليس بذلك القوي.
	قال أبوحاتم: لا يحتج به
	وقال النسائي: ليس بالقوي.
	وقال الدارقطني: في حديثه اضطراب.

(۱) "قوله: (و يسن أن يلصق كعبيه) قال السيد أبوالسعود وكذا في السجود أيضاً. (ردالمحتار، مطلب في قراءة البسملة بين الفاتحة: ١٩٦/٢) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

ولفظه راصاً عقيبيه عند الكل،يحيٰى بن أيوب ليس بذالك القوى وخالف الأقوىٰ هُنا فشذت روايته.

(۲) الاسناد الثاني:رواه مسلم:(۳٥۲/۱)وأحمد:(۸٥/٦-۲۰۱)وأبوداؤد:(٥٤۷/۱) والنسائي:(۱۰۲/۱)وابن عبد البر:(۳٤۹/۲۳)عن:

أبوبكر بن أبى شيبة	ثقة	ميزان الاعتدال:٤٥٤٩.
أبو أسامة	ثقة	لسان الميزان.
عبيد اللّٰه بن عمر	حجة من العدول	بيان مشكل الآثار تحفة الأحوذى:۲٤۰/۳.
محمد بن يحيٰى	ثقة	التاريخ الكبير
الأعرج	ثقة	الاكمال.
أبو هريرةؓ	الصحابى	

ولفظه عند الكل"فوقعت يدى علٰى بطن قدميه".

(۳) الاسناد الثالث:رواه مالك:(۲۱٤/۱)والترمذى:(٤۸۹/٥) والطحاوى : (۳٤۱) و البغوى:(۱٦٦/٥)عن:

يحيٰى بن سعيد الأنصارى	ثقة	ولفظه عند الكل"فوقعت يدى
محمد بن ابراهيم التيمى	ثقة	علٰى بطن قدميه".
عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها	أم المؤمنين	

والخلاصة:الحديث أصله صحيح فى شرح مسلم:(۳٥۲/۱) وأحمد:(۸٥-۲۰۱) وأبوداؤد: (٥٤۷/۱) والنسائى: (۱۰۲/۱)وابن عبد البر:(۳٤۹/۲۳)ومالك:(۲۱٤/۱) والترمذى: (٤۸۹/٥) والطحاوى:(۳٤۱) والبغوى:(۱٦٦/٥)وليس عندهم رص العقبين، فهٰذا شاذ كما ذكر الحاكم.(ملخص من رسالة " لاجديد فى أحكام الصلاة")واللّٰه سبحانه تعالىٰ أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۵۴/۲-۱۵۶)

رسالة ''سجدہ میں ایڑیوں کا ملانا'':

قال المرتب: شامی میں ہے:

قوله:(ويسن أن يلصق كعبيه)قال السيد أبوالسعود وكذا فى السجود،أيضاً.(۱)

''إعلاء السنن'' میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

(۱) ردالمحتار،مطلب فى قراءة البسملة بين الفاتحة:۱۹٦/۲)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

میں نے ایک رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کونہیں پایا حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ساتھ ہی میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ سجدہ میں پایا اس طرح کہ پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں۔(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

"وأما سنية إلصاق الكعبين في السجود فيدل عليه حديث عائشة...وفيه"فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه"أي ملصقًاأحدهما بالآخر".(۲)

حضرت مولانا احمد نقشبندی کا ایک واقعہ:

حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب متبحر اہل حدیث عالم تھے، ان کا ایک کتب خانہ بھی تھا، ہمیشہ تقوی اور اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے، حضرت (مولانا احمد خان) کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ تشریف لائے اور چار پانچ روزہ قیام کے دوران اپنا تعارف تک نہ کروایا، رخصت ہوتے وقت اتنا کہا کہ آپ کا باطنی معاملہ جو اللہ کے ساتھ ہے، اسے تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ نماز اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں آپ کا عمل کامل طور پر سنت مطہرہ کے مطابق ہے اور اس سلسلے میں آپ کی ذات مجدد کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ آپ کا سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا کتب احادیث سے ثابت نہیں، حضرت نے فوراً "بیہقی" منگوا کر درج ذیل حدیث پیش کی، جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔

"عن عروة بن الزبير رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقدتُ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معي على فراشي فوجدته ساجدًا راصاً عقيبيه مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة فسمعته يقول: أعوذ برضاك من سخطك وبعفوك من عقوبتك وبك منك أثنىٰ عليك لا أبلغ كل ما فيك" إلىٰ آخر الحديث.(۳)

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے (ایک رات) بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے، پس میں نے صلی

---

(۱) فقدت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معي علىٰ فراشي،فوجدته ساجداً راصاً عقيبيه.(إعلاء السنن ،كتاب الصلاة،باب طريق السجود:۳۹/۳،رقم الحديث:۷۸٦،انيس)

(۲) إعلاء السنن،كتاب الصلاة،باب طريق السجود:٤۲/۳،رقم الحديث:۷۹۰،انيس

(۳) السنن الكبرىٰ للبيهقي،كتاب الصلاة،باب ما جاء في ضم العقبين في السجود:۱۱٦/۲ (ح:۲۷۱۹)

اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسری کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب تھا، پس میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے، (اے اللہ!) میں تیری ناراضگی سے رضا کی، تیرے عذاب سے تیرے عفو کی اور تجھ سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور تیرے اوصاف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ آخر حدیث تک۔ (بیس مرداں حق: ۵۳۵/۱)

یہ سنت عام طور پر متروک ہے، بہت کم اس پر عمل کرتے دیکھا گیا۔ میرے استاذ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے ایک رسالہ میں اس کو شائع فرما کر زندہ کرنے کی کوشش کی تو بعض حضرات نے اس کے خلاف ''احسن الفتاویٰ'' (۱) کا فتویٰ پیش کیا۔ موصوف نے اس پر تبصرہ تحریر فرمایا، جو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

(مرغوب)

''احسن الفتاویٰ'' کا جواب:

سوال: مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیحدہ؟ ''عرف الشذی'' میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے:

''وفی صحیح ابن حبان عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهاالرص بین العقیبین فی السجدة أی ضمها و أكثر الناس عن هٰذا غافلون''.

اس کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــ باسم ملهم الصواب

''إعلاء السنن'' (۲) میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد ''تفاجّ بین القدمین'' کی حدیث بھی منقول ہے:

''وللنسائی وقد سكت عنه وهو ساجد وقدماه منسوبان. الحديث(النسائی: ۱۶۶/۱)(۳)

عن البراء رضی اللّٰه تعالیٰ عنه كان صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم إذا ركع بسط ظهره، وإذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة فتفاج (ينبغی وسع بين رجليه).(رواه البيهقی)

---

(۱)　احسن الفتاویٰ: ۳/۴۹-۵۰

(۲)　عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهافی حديث أوله فقدتُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم وكان معی علی فراشی فوجدته ساجدًا راصاً عقيبيه مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة، رواه ابن حبان فی ''صحيحه'' بإسنادصحيح. (التلخيص الحبير: ۹۸/۱)

(۳)　إعلاء السنن ، كتاب الصلاة، باب طريق السجود، رقم الحديث: ۷۸۶، انیس

قلتُ: احتج به الحافظ بن حجر بعد ما ضعف رواية الدارقطني عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، وسكت عنه فهو حسن أو صحيح عنده. (۱)

بصورت تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تطبیق: حدیث اول میں ''رص بین العقبین'' تقریب پر محمول ہے، **كما حمل عليه العلامة الطحاوي رحمه الله تعالىٰ حديث ضم الكفين في الدعاء.**

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں: ایک **استقبال الأصابع القبلة**، دوسرا **نصب القدمين**، یہ دونوں سنتیں ''رص بین العقبین'' کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوسکتیں۔ مزید بریں اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح: حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع وسجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے۔

''وكفى به مرجحاً وبهذا رجح الإمام الطحاوي رحمه الله تعالىٰ حديث وضع اليدين على الركبتين في الركوع على حديث التطبيق''.

نیز نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، کیونکہ بلاضرورت حرکت خشوع وخضوع کے منافی ہے۔

''قال النبي صلى الله تعالىٰ إليه وسلم: في مصل يعبث بلحيته لو خشع قلبه يسكن جوارحه. (۲)

یہ بحث تبرعاً لکھدی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں۔ فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ شامیہ میں صرف ابوالسعود سے نقل کر کے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور ''سعایہ'' میں رکوع وسجود میں **الصاق الكعبين** پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے ''احسن الفتاویٰ'' میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں ''سعایہ'' کی تحقیق منقول ہے۔ (۳)

سجدہ میں ایڑیوں کا ملانا:

''احسن الفتاویٰ'' کے جواب پر تبصرہ!

از: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ

---

(۱) إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب طريق السجود: ۳۹/۳، رقم الحديث: ۷۸۷.

(۲) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رأى رجلا يعبث بلحيته في الصلاة فقال عليه السلام: ''لو خشع قلب هذا خشعت جوارحه'' انتهى، وسليمان بن عمرو هذا أن يكون هو أبو داؤد النخعي فإني لم أجد أحدا في هذه الطبقة غيره وقد اتفقوا على ضعفه، قال ابن عدي: أجمعوا على أنه يضع الحديث. (تخريج أحاديث الكشاف، سورة المؤمنين: ۴۰۰/۲، دار ابن خزيمة الرياض. انيس)

(۳) احسن الفتاویٰ: ۴۹/۳-۵۰

الجواب ــــــــــــــــــــ واللّٰہ ھو الموفق للصواب

"عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھاقالت: فقدتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وکان معی علیٰ فراشی فوجدته ساجدًا راصاً عقبیه،مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة". (۱)

"صحیح ابن حبان" کی جس روایت کا ذکر "**العرف الشذی**" اور "**التلخیص الحبیر**" میں ہے وہ "صحیح ابن حبان" میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔"ابن خزیمۃ" نے اس حدیث کو "**باب ضم العقبین فی السجود**" کے تحت ذکر کیا ہے۔ میں نے وہیں سے اس کو نقل کیا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے بھی اس سنت کی طرف توجہ دلائی ہے۔(**فالحمد للّٰہ علیٰ ذلک**)

اس حدیث کے خلاف کوئی صریح حدیث نہیں ہے،اس لئے ہمارے خیال میں ضم عقبین کے ظاہر ہی پر عمل کرنا چاہئے، کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ہونا عمل سے روکنے یا تاویل کرنے کے لئے کافی نہیں۔

"إعلاء السنن" میں ہے:

"وأما سنیة الصاق الکعبین فی السجود فیدل علیه حدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ". (۲)

دیکھئے! حضرت مولانا ظفر صاحبؒ نے اس کی کوئی تاویل نہیں کی ؛ بلکہ شامی سے مفتی ابو السعود کا قول نقل کیا:

"والصاق کعبیه فی السجود سنة" آہ. (۳)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے حدیث میں لفظ "**فتفاج**" (۴) کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کے معارض سمجھا، یہ سمجھنا ہمارے خیال میں صحیح نہیں۔

(۱) اولاً تو اس لئے کہ حافظ نے ابن حجرؒ نے حضرت براءؓ کی حدیث کو "**التلخیص**" میں "**تفریج بین الرکبتین**" کی دلیل میں پیش کیا ہے، جیسے ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث میں جس میں "**إذاسجد فرج بین فخذیه**" کا لفظ ہے اور ضم فخذین کا مسئلہ ضم عقبین سے الگ ہے، یہ دو مسئلے ہیں، "ابن خزیمۃ" نے دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کیا ہے اور دونوں میں الگ الگ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

---

(۱) التلخیص الحبیر: ۲۵۶/۱،صحیح ابن خزیمة: ۳۲۸/۱)(کتاب الصلاة،باب ضم العقبین فی السجود،رقم الحدیث: ٦٥٤،انیس)

(۲) إعلاء السنن،باب طریق السجود: ۴۲/۳)(کتاب الصلاة،رقم الحدیث: ۷۹۰،انیس)

(۳) ردالمحتار: ۱۹٦/۲،دارالباز / کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب: قراءۃ البسملة بین الفاتحة والسورۃحسن، انیس

(۴) جس کی تفسیر حافظ ابن حجر نے "وسع بین رجلیه" سے کی ہے

(۲) ثانیاً حافظ نے جو معنی لئے ہیں، وہ متعین نہیں ؛ بلکہ "فتفاج" جو "فج" سے ہے، جس کے معنیٰ کشادگی کا ہے، وہ "تجافیٰ" کے قریب قریب ہے، حضرت براءؓ کی ایک دوسری روایت "بیہقی" نے ذکر کی ہیں، "جنح" کا لفظ ہے اس کا مطلب خود بیہقی نے شیخ ابوزکریا العنبری سے یہ نقل کیا ہے:

"جخ الرجل فی صلا ته إذا مد ضبعیه وتجافٰی فی الرکوع والسجود". (۱)

اسی صفحہ میں حضرت جابرؓ کی روایت ان الفاظ سے پیش کی ہے:

"إذا سجد تجافٰی حتٰی یری بیاض إبطیه" آه. (۲)

یہ مضمون بہت سی حدیثوں میں آیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھل کر سجدہ کرتے تھے کہ بغل کھلی رکھتے اور پیٹ پر ران کو نہ رکھتے، نیز حافظؒ نے "تلخیص" میں حضرت براءؓ سے ایک اور لفظ نقل کیا ہے:

"کان إذا سجد بسط کفیه ورفع عجینته".

پھر لکھا ہے کہ!

رواہ ابن خزیمة والنسائی وغیر هما بلفظ إذا سجد جخ یقال جخ الرجل فی صلاته إذا مد ضبعیه.

ان سب الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت براءؓ سجدہ نبوی کی جو مشہور کیفیت ہے اس کو بیان کررہے ہیں ،یعنی بغل کھلا رکھنا اور پیٹ اور رانوں کو جدا رکھنا، اس مطلب کی رو سے اس کا ضم عقبین سے کوئی تعارض نہیں۔

اسی طرح ابوحمیدؓ کی حدیث میں "فرج بین فخذیه" کا مطلب "بذل المجہود" میں یہی بیان کیا ہے کہ "باعد بین فخذیه وبطنه" اور آگے روایت میں یہ جو لفظ ہے "غیر حامل بطنه علٰی شئ من فخذیه" اس کو اس کی تاکید بتایا، پھر اس مطلب کی تائید ابن نجیم صاحب بحرؒ کے قول سے پیش کی۔ (۳)

لطف یہ ہے کہ "بیہقی" نے بھی "سنن کبریٰ" میں "تفریج بین الرکبتین" کا باب قائم کیا؛ لیکن اس کے ذیل میں صرف ابوحمیدؓ کی حدیث ذکر کی، تفریج کے اثبات کے لئے حضرت براءؓ کی حدیث ذکر نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ "فتفاج" کا مطلب "بیہقی" نے وہ نہیں لیا جو حافظؒ نے لیا؛ بلکہ دوسرا مطلب لیا؟ (۴)

تطبیق کی ضرورت ہے، نہ ترجیح کی، اس لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا یہ فعل بلاضرورت ہے۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب یجافٰی مرفقیه عن جنبیه: ۱۱۵/۲، رقم الحدیث: ۲۷۰۹، انیس

(۲) السنن الکبریٰ، کتاب الصلاة، باب یجافی مرفقیه عن جنبیه: ۱۱۵/۲، رقم الحدیث: ۲۷۱۰، انیس

(۳) دیکھئے! بذل المجهود: ۸٦/۲.

(۴) السنن الکبریٰ: ۱۱۵/۲۔

ضم فخذ ین:

رہا مسئلہ ضم فخذ ین کا جو''ابن خزیمۃ''اور''ابوداؤد''میں ''ولیضم فخذیه'' کے لفظ سے مروی ہے تو اس کے معارضہ میں حدیث ابوحمید ''فرج بین فخذیه''وہ لوگ پیش کریں گے، جو یہ مطلب لیتے ہیں کہ دونوں رانوں کو آپس میں ملاتے نہیں تھے''بیہقی''اور''شوکانی'' نے بھی یہی معنی لئے ہیں۔(۱)

اور حافظؒ نے ''فتفاج'' سے جو سمجھا وہ بھی اس کے معارض ہوگا، اس مسئلہ میں تطبیق یا ترجیح دی جائے تو ان دونوں حدیثوں کے ایک معنیٰ کے لحاظ سے بظاہر تعارض ہونے کی وجہ سے معقول ہوگا، چنانچہ''بیہقی'' نے''السنن الکبریٰ'' میں تفریج کو ترجیح دی ہے اور اس کو نماز کی ہیئت سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ''بذل المجہود''میں''بین الفخذین '' کا وہ معنی لینا چاہا ہے، جو اوپر مذکور ہوا، جس کی رو سے تعارض نہیں رہتا اور حضرت تھانویؒ نے دونوں میں تطبیق دے کر تقریب کا معنیٰ لیا ہے۔(۲)

میرا بھی اسی طرف رجحان ہے، اسی پر عمل بھی ہے، اس لئے کہ دونوں رانوں کو بالکل ملانا مشکل ہے۔

تنبیہ: مولانا عبدالحی صاحبؒ نے''سعایۃ''میں اصالۃ رکوع میں الصاق کعبین کی تردید فرمائی ہے اور ہم اس میں ان کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں، ضمناً سجدہ میں الصاق کی تردید بھی ہوگئی ہے، یہ صحیح ہے؛ لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ضم عقبین کی حدیث حضرت مولاناؒ کی نظر میں نہیں ہے، اسی لئے الصاق کعبین فی الرکوع کی تردید میں شیخ ابوالحسن سندھی کا کلام نقل کیا ہے:''ولم یرد فی السنة علٰی ماوقفناعلیه''.(۳)

اور مولاناؒ نے سجدہ کے بیان کے وقت اس مسئلہ سے تعارض نہیں کیا۔ ہاں سجدہ کے بیان میں ضم فخذ ین کو سنت بتایا اور ابوداؤد کی حدیث کا حوالہ دیا ''ولیضم فخذیه''.(۴)

باوجودیکہ اس سنت کو بھی ہمارے فقہا نے ذکر نہیں کیا اور حضرت مولاناؒ نے اس لفظ ضم کی کوئی تاویل بھی نہیں کی، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ کوئی سنت حدیث معتبرہ سے ثابت ہوتی ہو تو اس پر عمل کریں گے، یہ کہہ کر اسے چھوڑ نہیں دیں گے کہ ہماری فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں، اسی لئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ جن کی نظر حدیث وفقہ پر بہت وسیع اور عمیق ہے ضم عقبین کی سنت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

---

(۱) دیکھئے! السنن الکبریٰ:۱۱۵/۲ .وبذل المجهود:۸٦/۲.

(۲) دیکھئے! إعلاء السنن،باب طریق السجود:۳۲/۳۔

(۳) السعایة:۱۸۱/۲.

(۴) دیکھئے! السعایة:۱۹۷/۲.

اسی طرح کوئی عمل فقہ کی کتابوں میں سنت بتایا گیا، لیکن حدیث میں اس کا ذکر کہیں نہیں ملا تو اس کو سنت نہیں سمجھیں گے، جیسا کہ ''الصاق کعبین فی الرکوع'' کے ساتھ ہمارے اکابر نے کیا، باوجودیکہ اس کو ''کبیری شرح منیۃ المصلی'' اور ''الدر المختار'' میں سنت بتایا؛ لیکن ہمارے محققین نے اس کے سنت نہ ہونے کو ترجیح دی، جیسا کہ ''سعایۃ'' سے ظاہر ہے، (۱) اگر ضم عقبین کی حدیث ان کے سامنے ہوتی تو کبھی وہ اس کی تردید نہ فرماتے۔ واللہ اعلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ کی چند باتوں کا جواب

قولہ: ''رص بین العقبین'' کو تقریب پر محمول کریں گے، جیسا کہ ''طحاوی'' نے ''ضم الکفین فی الدعاء'' کو تقریب پر محمول کیا۔ (۲)

جواب: رص اور ضم میں لغۃً فرق ہے۔ ﴿كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ (۳) سے ظاہر ہے کہ رص بالکل ایک دوسرے سے مل جانے کو کہتے ہیں، برخلاف ضم کے کہ وہ قریب پر بھی بولا جاتا ہے۔

قولہ: استقبال قبلہ اور نصب القدمین، یہ دونوں رص کے ساتھ علی وجہ الکمال نہیں ہو سکتے۔ (معنیً)

جواب: یہ نص حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ رص اور استقبال قبلہ دونوں بول رہی ہیں، جو کچھ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا، وہی ہمارے لئے سنت ہے۔

ہم نے عملاً کر کے دیکھ لیا ہے کہ یہ تینوں کام مکمل ہو سکتے ہیں، (من شاء فلینظرنا) اس وقت دونوں پاؤں قریب کر لئے جائیں گے۔

قولہ: اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

جواب: بلاضرورت نہیں سنت کی ادائیگی کے لئے ہے، جیسے ہاتھ کی انگلیوں کو سجدہ میں ملانا سنت ہے، باوجودیکہ رکوع میں پھیلانا سنت تھا، اس میں حرکت کو کون منع کرتا ہے؟ وتر میں قنوت سے پہلے احناف رفع یدین کی حرکت کرتے ہیں۔ عیدین میں کرتے ہیں۔ بین السجدتین بائیں پاؤں کو پھیلا کر اس پر بیٹھتے ہیں، کیوں ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل نہیں کرتے، جس میں عقبین پر بیٹھنا آیا ہے، اس میں حرکت نہیں ہوگی۔

اور جیسا کہ شہادت کی انگلی شہادت کے وقت اٹھانا۔ بعض لوگوں نے مفتی صاحب مدظلہ والی علت کی وجہ سے اس اشارہ سے انکار کیا تو محققین نے حدیث پیش کر کے تردید کی۔ (فتدبر و کن علی بصیرة)

(۱) السعایة: ۱۸۲/۲.

(۲) احسن الفتاویٰ: ۴۹/۳

(۳) سورة الصف: ٤، انیس

اصل میں یہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ تعارض سمجھ کر ایسا فرمارہے ہیں، وھو ممنوع۔

قولہ: حدیث ثانی سنت تجافی کے مطابق ہے۔

جواب: حدیث ثانی کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں جو سنت تجافی بیان ہوتی ہے وہ ضم عقبین کے ساتھ حاصل ہے اور اگر حافظ کا مطلب لیجئے؛ یعنی "تفریج بین الرکبتین أو الفخذین" تو یہ بھی ضم عقبین کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ترجیح کی، اس لئے کہ روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور مفتی ابوالسعود صاحب کے فرمانے کے مطابق اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

البتہ ضم فخذین کے مسئلہ میں من وجہٍ دلائل میں ظاہری تعارض اور فی نفسہ حقیقی ضم مشکل ہونے کی وجہ سے تقریب پر عمل کریں گے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب (۱)

فضل الرحمٰن اعظمی۔ ۲؍ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ/ ۲؍ مئی ۱۹۹۵ء منگل۔ (مرغوب الفتاویٰ: ۲/ ۱۴۵-۱۵۳)

سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ:

سوال: نماز میں سجدہ کے بعد جب کھڑا ہونا چاہیں، تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں؟

الجواب: ہاں!

تتمہ السوال: یا زمین سے ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو؟

الجواب: نہیں، الا بعذر۔

تتمہ السوال: یا کسی جگہ ہاتھ نہ ٹیکے جائیں، بہر حال کھڑے ہونے کا مستحسن دستور کیا ہے؟

الجواب: اوپر لکھدیا۔

"فی الدر المختار: (ویکبر للنهوض) علٰی صدور قدمیه (بلا اعتماد وقعود) استراحة.

فی رد المحتار: (بلا اعتماد): أی علٰی الأرض. قال فی الکفایة: أشار به إلٰی خلاف الشافعی فی موضعین: أحدهما یعتمد بیدیه علٰی رکبتیه عندنا وعنده علی الأرض والثانی الجلسة الخفیفة، إلخ. (۲)

۱۹؍ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (النور صفحہ: ۷ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۲۲۱)

---

(۱) ماخوذ از "علمی مکتوبات"

(۲) رد المحتار، فصل فی بیان تالیف الصلاة، قبل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/ ۵۹۶.

دوسری رکعت سے کس طرح کھڑا ہو:

سوال: دوسری رکعت میں بعد قعدہ کے جب کھڑا ہو، تو ہاتھ بدستور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہو، یا زمین پر سہارا دے کر کھڑا ہو؟

الجواب

ہاتھ گھٹنوں اور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہونا بہتر ہے اور اگر بضرورت زمین پر رکھ کر کھڑا ہو تو یہ بھی درست ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۰)

نماز میں قعدہ کے وقت نظر کہاں رکھے:

سوال: نماز پڑھتے ہوئے قعدہ میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا چھاتی پر؟

الجواب

دونوں جگہ درست ہے، غرض خیال ونظر بندی ہے۔(۲)

(بدست خاص، سوال:۸۸)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۳)

تشہد کی حالت میں نگاہ کہاں ہو:

سوال: تشہد کی حالت میں کس جگہ نگاہ رکھے؟

الجواب

آدابِ نماز میں سے ہے کہ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ نظر رکھیں اور حالت رکوع میں پشت قدم کی طرف اور حالت سجود میں ناک کے کنارہ کی طرف اور حالت قعود وتشہد میں اپنی گود کی طرف، الخ۔(درمختار)(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۸-۲۰۹)

---

(۱) (و یکبر للنهوض)علٰی صدور قدمیه(بلا اعتماد و قعود)استراحة و لو فعل لابأس.(الدر المختار)
(بلا اعتماد)أی علٰی الأرض،قال فی الکفایة:أشار به إلٰی خلاف الشافعی فی موضعین:أحدهما یعتمد بیدیه علٰی رکبتیه عندنا وعنده علی الأرض و الثانی الجلسة الخفیفة،الخ.(رد المحتار،باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۷۲، ظفیر)(قبیل مطلب:مهم فی عقد الأصابع عند التشهد،انیس)

(۲) (والأفضل للمصلی أن یکون نظره فی قیامه إلی موضع سجوده وفی رکوعه إلی قدمه وفی سجوده إلی أنفه وفی قعوده إلی حجره).(شرح مختصر الطحاوی للجصاص،باب صفة الصلاة:۱/۶۴۸،دار البشائر الإسلامية.انیس)

(۳) نظره إلیٰ موضع سجوده حال قیامه،وإلٰی ظهر قدمیه حال رکوعه،وإلٰی أرنبة أنفه حال سجوده وإلٰی حجره حال قعوده.(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۱/۴۴۶،ظفیر)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انیس)

قعدہ میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ:

سوال: جس قعدہ میں تشہد پڑھا جاتا ہے تو گھٹنوں کے برابر ہاتھ کو موڑ کر رکھنا ہے یا اپنی ران پر سیدھا رکھنا ہے، شرعی اعتبار سے کیا صحیح ہے؟ (محمد شجاع الدین، کالے پتھر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

قعدہ کی حالت میں ہاتھ ران پر اس طرح رکھنا چاہئے کہ ہاتھ کا آخری حصہ گھٹنوں پر رہے، ہاتھ موڑنا نہ چاہئے، کیونکہ مقصود انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا ہے،(۱) اور اگر گھٹنوں کی طرف موڑ لیا جائے تو انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف باقی نہیں رہے گا۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۷-۱۸۸)

قعدہ میں بیٹھے ہوئے ہاتھ رکھنے کی کیفیت:

سوال: نماز کے قعدے میں کیا ہاتھ جانگھ پر کہنی سے پنجوں تک رکھے جائیں گے اور کیا گھٹنے کی چکی پر انگلیاں رہیں گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قعدہ میں ہاتھ جانگھ پر رکھے انگلیاں گھٹنے کے پاس رہیں، پھر جتنا حصہ ہاتھ کا جانگھ پر ہے، اس کو جانگھ پر رکھے جو زائد پڑے اور یا باہر پڑے، پڑنے دے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۱۱/۵/۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۷۳)

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: اسی طرح قعدہ اخیرہ کے بارے میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن ابوداؤد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اس سجدے سے سر اٹھائے جس کے بعد سلام ہے تو بایاں پاؤں ایک طرف نکال

(۱) دیکھئے: الهداية مع حاشية عبد الحي اللكنوي: ۱/۳۳۶، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۹۷۵، باب كيف الجلوس في التشهد. محشي

(۲) (ويستقبل بأصبع رجله اليمنىٰ القبلة كما يفعل في السجود ثم يبسط كفيه على ركبتيه وينشر أصابعه ولايشيربشيء منها). (شرح مختصر الطحاوي للجصاص، باب صفة الصلاة: ۱/۶۲۸-۶۲۹، دار البشائر)

عن أبي حميد قال: أنا أعلمكم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر الحديث بطوله وقال: جلس فافترش رجله اليسرىٰ وأقبل بصدر اليمنىٰ على قبلته ووضع كفه اليمنىٰ على ركبته اليمنىٰ وكفه اليسرىٰ على ركبته اليسرىٰ وأشار بأصبعه السبابة. (صحيح ابن خزيمة، باب سنة الجلوس في التشهد الأول (ح:٦٨٩) انيس)

دیتے اور بائیں سرین پر ٹیک دے کر بیٹھتے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ میں اس طرح بیٹھتے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری رہنمائی فرمائیں؟

هو المصوب

قعدہ میں بائیں طرف پیر نکال کر بائیں سرین پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ بلاشبہ روایت سے ثابت ہے،(۱) اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور دیگر حنفیہ کے نزدیک جو طریقہ راجح ہے، وہ یہ ہے کہ دائیں قدم کو کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جائے،(۲) یہ طریقہ کتب حدیث میں موجود ہے،(۳) حنفیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور ابوداؤد کی جو روایت ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھاپے میں جسم بھاری ہوجانے پر اختیار فرمایا تھا، ورنہ عام معمول اور طریقہ وہی رہا ہے، جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے، ترمذی شریف میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے:

فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرىٰ، ووضع يده اليسرىٰ يعني علىٰ فخذه اليسرىٰ ونصب رجله اليمنىٰ. (۴)

ترمذی کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو سنت صلاۃ قرار دیا ہے، حضرت عائشہؓ بھی یہی فرماتی ہیں۔(۵)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۱۰۸-۱۰۹)

(۱) حتىٰ إذا كانت السجدة التي فيها التسليم أخر رجله اليسرىٰ وقعد متوركاً علىٰ شقه الأيسر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ذكر التورك في الرابعة، رقم الحديث: ٩٦٣)

(۲) (وبعد فراغه من سجدتي الركعة الثانية يفترش) الرجل (رجله اليسرىٰ) فيجعلها بين إليتيه ويجلس عليها وينصب رجله اليمنىٰ ويوجه أصابعه) في المنصوبة. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/٢١٦) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۳) وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنىٰ...، (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة: ٢٠٤، رقم الحديث: ٤٩٨)

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: من سنة الصلاة أن تنصب القدم اليمنىٰ واستقباله بأصابعها القبلة والجلوس علىٰ اليسرىٰ. (سنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم (ح: ١١٥٩)

(۴) سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء كيف الجلوس في التشهد: ٨٦/٢، رقم الحديث: ٢٩٢، قال الترمذي: هذا حيث حسن صحيح)

(۵) وقول عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يفتتح الصلاة إلىٰ أن قالت وكان يفترش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ. (حاشية الترمذي: ٦٥/١ (مطبوعه مكتبة رشيدية، دهلي)

مقتدیوں کوآواز پہونچانے کی غرض سے "ورحمة الله" کودراز کرنا:

سوال: امام نماز کے سلام میں "ورحمة الله" اس غرض سے دراز کرے کہ مقتدیوں تک آواز پہونچے، جائز ہے یانہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

کلمہ "ورحمة الله" کوطویل کرنا جائز ہے اور جب کہ غرض صحیح ہے اور مجمع بڑا ہے تو آواز کوطویل کرنا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ:۱۴۳/۲)

ایک سانس میں دونوں سلام:

سوال: نماز کے ختم پر دائیں جانب سلام پھیرنے پر کتنے وقفے کے ساتھ بائیں جانب سلام پھیرنا چاہئے؟ ایک ہی سانس میں دونوں جانب سلام پھیر دیوے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصليًا

اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں دیکھی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۶۴۱/۵)

امام کے لئے انحراف عن القبلہ کن نمازوں کے بعد مستحب ہے:

سوال: بعد فریضۂ نماز کے سلام پھیرنے کے، اہل حدیث تو ہر نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر دعا مانگتے ہیں، مگر حنفی امام کو اکثر دیکھا ہے کہ جس کے بعد تطوع نہیں مثلاً فجر وعصر وہاں تو وہ بھی اہل حدیث کی طرح ہی سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منھ کر لیتے ہیں، مگر جس نماز کے بعد تطوع ہیں مثلاً ظہر، مغرب، عشا، وہاں وہ روقبلہ ہی ہوکر دعا مانگتے ہیں۔ ان میں سے کون طریق اقرب الی السنۃ ہے، مع حوالہ تحریر ہو؟

حدیث بخاری "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذاصلى أقبل علينا بوجهه" سے استمرار ثابت ہوتا ہے، یہ صحیح ہے یانہیں؟

---

(۱) اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں کوئی صراحت نہیں ملی، فقہ شافعی کے حوالہ سے موسوعہ فقہیہ کویت میں اس کی وضاحت موجود ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں سلام کے درمیان فصل کیا جائے۔

ذكر الفقهاء أنه يسن لمن يأتي بالتسليمتين في آخر الصلاة للخروج منها أن يفصل بينهما.(الموسوعة الفقهية الكويتية،وصل التسليمتين:۱۶٦/٤٣،وزارةالأوقات الكويت)

ويسن إذا أتى بهما أن يفصل بينهما.(مغني المحتاج،باب صفة الصلاة:۳۸٥/۱،دارالكتب العلميةٰ.انيس)

الجواب

درمختار میں ہے:

"ویکره تأخیر السنة إلا بقدر: "اللّٰهم أنت السلام" الخ.

وفی الخانية: یستحب للإمام التحول لیمین القبلة: یعنی یسار المصلی لتنفل أوورد وخیره فی المنية بین تحویله یمینًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبیته واستقباله الناس بوجهه، الخ. (۳۵۷/۱)(۱)

وعن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لم یقعد إلا مقدار ما یقول: "اللّٰهم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والإکرام". (مشکوٰة: ۸۱)(۲)

ان روایت فقہیہ اور حدیث مشکوٰۃ شریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، روبقبلہ دعا مانگ کر سنتوں کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور حدیث بخاری شریف "کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا صلی صلاة أقبل علینا بوجهه"(۳) ان نمازوں پر محمول ہے جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۵/۲-۱۹۶)

ہرفرض نماز کے بعد انحراف کیسا ہے:

سوال: فجر اور عصر میں امام مقتدی کی طرف منہ کرکے دعا کرتے ہیں، یہ صحیح ہے، لیکن مغرب، عشا اور ظہر کی نماز میں مقتدی کی طرف منہ کرکے دعا کرنا کیسا ہے؟ میرے یہاں امام مسجد پانچوں وقت کی نماز میں مقتدی کی طرف منہ کرکے دعا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب وباللّٰه التوفیق

پچھّم سے پورب، اتر، دکھن رخ بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ آنے والوں کو دھوکا نہ ہو کہ لوگ نماز میں مشغول ہیں، جن نمازوں کے بعد سنت نہیں ہے، ان نمازوں کے بعد کچھ ذکر وغیرہ کرکے دعا کی جاتی ہے، اگر ذکر قبلہ رخ کرکے کیا گیا تو آنے والوں کو دھوکا ہوسکتا ہے کہ اب تک لوگ نماز میں مشغول ہیں اور اس دھوکا میں آکر کہیں اقتدا نہ کرلیں، (۴)

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۹۵/۱، ظفیر

(۲) باب الذکر بعد الصلاة، الفصل الأول (مصنف ابن أبی شیبة، من کان یستحب إذا سلم أن یقوم أو ینحرف (ح: ۳۰۸۵)/الصحیح لمسلم، باب استحباب الذکر بعد الصلاة (ح: ۵۹۲) انیس

(۳) کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۱۷۲/۱، رقم الحدیث: ۸۴۵، عن سمرة بن جندب رضی اللّٰه عنه انیس

(۴) ولأن المکث یوجب اشتباه الأمر علی الداخل، فلا یمکث ولکن یقوم یتنحی عن ذلک المکان، ثم یتنفل. (بدائع الصنائع، ما یستحب للإمام أن یفعله عقیب الفراغ من الصلاة: ۴۳۲/۱)

مذکورہ نمازوں میں لوگوں کو دھوکا میں پڑنے کا گمان کم ہے۔ لہذا ان نمازوں کے بعد رخ بدلنا جائز تو ہوگا؛ لیکن بہتر نہیں ہوگا۔

امدادالفتاویٰ (۱/۸۸۷) اور فتاویٰ عالمگیری (۱/۷۷) دیکھا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۱۲/۸/۱۴۰۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۵-۳۹۶) ☆

(۱) "وإذا سلم الإمام من الظهر والمغرب و العشاء كره له المكث قاعدًا لكنه يقوم إلى التطوع ولايتطوع في مكان الفريضة ولكن ينحرف يمنة ويسرة أويتأخر وإن شاء رجع إلى بيته يتطوع فيه،وإن كان مقتديا أويصلي وحده إن لبث في مصلاه يدعو جاز...وفي صلاة لا تطوع بعدها كالفجر والعصريكره المكث قاعدًا في مكانه مستقبل القبلة والنبي عليه الصلاة والسلام سمى هذا بدعة ...و يستقبل القوم بوجهه إذا لم يكن بحذائه مسبوق فإن كان ينحرف يمنه أويسرة والصيف والشتاء سواء هوالصحيح،كذا في الخلاصة". (الفتاویٰ الهندية: ۱/۷۷)(الباب الرابع في صفة الصلاة،الفصل الثالث في سنن الصلاة،انيس)

☆ نماز پنجگانہ میں امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا:

سوال: پنج وقتہ نمازوں میں نماز کے اختتام پر امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا مصليًا مسلمًا: سلام کے بعد امام کے لئے پانچوں نمازوں میں مقتدیوں کی طرف رخ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعاً على يمينه وعلى شماله.(سنن الترمذی،باب ماجاء في الانصراف عن يمينه وعن يساره (ح:۳۰۱)

عن عبد الله قال: لايجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزءاً لا يرى إلا أن حقا عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه، أكثر ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن شماله.(الصحيح لمسلم،باب جواز الانصراف من الصلاة (ح:۷۰۷)/الصحيح للبخاری،باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال (ح:۸۵۲)

عن السدی قال:سألت أنساً كيف أنصرف إذا صليت؟عن يميني أو عن يساری قال:أما أنا فأكثر ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه.(الصحيح لمسلم،باب جواز الانصراف من الصلاة (ح:۷۰۸)

عن سمرة بن جندب قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه.(الصحيح للبخاری،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤۵)

قال النووی: ومذهبنا أنه لا كراهة في واحد من الأمرين لكن يستحب أن ينصرف في جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أو شماله فإن استوى الجهتان في الحاجة وعدمها فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين في باب المكارم ونحوها،اه (۱/۲٤۷) قلت: وهذا مذهبنا أيضاً،قال في مراقی الفلاح:وإن شاء الإمام انحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وإن شاء عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولیٰ لما في مسلم:كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه،وإن شاء ذهب لحوائجه قال تعالیٰ:﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله﴾والأمر للإباحة، آه.(إعلاء السنن، باب الانحراف بعدالسلام وكيفيته وسنية الدعاء والذكر بعدالصلاة:۳/۱۸٤،إدارةالقرآن والشؤون الإسلامية كراتشی.انيس)

==

سلام پھیرنے کے بعد امام کا رخ کدھر ہونا چاہئے:

سوال: امام کو بعد سلام پھیرنے کے ان نمازوں میں جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں، کس طرف کو بیٹھنا چاہئے، داہنی طرف یا بائیں طرف، یا قبلہ کو پشت کر کے جملہ مقتدیوں کی طرف؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حدیث مسلم میں ہے:

”وعن البراء رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: كنا إذا صلينا خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه، قال: فسمعته يقول: ربِّ قنى عذابک يوم تبعث أو تجمع عبادک“. (رواه مسلم)(۱)

وفی حديث عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قال: لايجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرىٰ أن حقاً عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت النبی صلى اللّٰه عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره. (رواه البخاری ومسلم)(۲)

وعن أنس أن النبی صلى اللّٰه عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه. (رواه مسلم)(۳)

وعن سمرة بن جندب قال: كان النبی صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلّٰى صلاةً أقبل علينا بوجهه. (رواه البخاری: ۹۷، مشكوٰة)(۴)

== ”فی الدر: فی الخانية: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة: يعنی يسار المصلی لتنفل أوورد واخيره فی المنية بين تحويله يمينًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبيته، واستقباله الناس بوجهه.

وفی الرد عن البدائع: لأن المقصود من الانحراف وهوزوال الاشتباه أی اشتباه أنه فی الصلاة يحصل بكل منهما. (ردالمحتار: ۳۵۷/۱)(مطلب: فيمالوزادعلى العددفی التسبيح عقب الصلاة، انيس)(الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبيل فصل فی القراءة: ۳۵۷/۱، نعمانية، ديوبند) واللّٰه أعلم بالصواب

کتبہ عبد اللہ غفرلہ ۳/۱۱/۱۴۱۲ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۴۰۷)

(۱) مشكوٰة، باب الدعاء فی التشهد، فصل أول: ۸۷ (ح: ۹۴۷) ظفير / (الصحيح لمسلم، باب استحباب يمين الإمام (ح: ۷۰۹) انيس)

(۲) مشكوٰة، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۱۷۲ (ح: ۸۵۲) / الصحيح للبخاری، باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال (ح: ۸۵۲) انيس

(۳) مشكوٰة، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰ (ح: ۷۰۸) / الصحيح لمسلم، باب جواز الانصراف من الصلاة (ح: ۷۰۸) انيس

(۴) مشكوٰة، كتاب الأذان، باب يستقبل الإمام الناس إذاسلم (ح: ۸۴۵) / الصحيح للبخاری، كتاب الأذان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۱۷۲/۱، رقم الحديث: ۸۴۵. انيس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات داہنی طرف کو بیٹھتے تھے اور منصرف ہوتے تھے اور کبھی بائیں طرف کو اور کبھی اقبال علی الناس بوجہ فرماتے تھے، جس سے یہ بھی مطلب حاصل ہوسکتا ہے کہ مستدبر قبلہ ہوکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور یہ بھی اس کا مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ اقبال بوجہ وہی ہے، جس کو یمین اور یسار کی طرف انصراف سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقہانے بھی اس میں اختیار دیا ہے کہ خواہ داہنی طرف کو ہوکر بیٹھے اور خواہ بائیں طرف کو اور خواہ مستقبل الی الناس اور مستدبر قبلہ ہوکر بیٹھے۔

درمختار میں ہے:

"وفي الخانية: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة يعني يسار المصلى الخ وخيره في المنية بين تحويله يميناً وشمالاً الخ واستقباله الناس بوجهه، الخ. (۱)

اور اکثر فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنی طرف ہوکر بیٹھنے کا تھا، **كما ذكره الشراح وعليه عمل أكابرنا كالشيخ المحدث گنگوهي ومولانا النانوتوي قدس الله أسرارهما. فقط** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۲/۲-۱۹۳)

امام کا مقتدیوں کی جانب یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا:

سوال: ہر نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا سنت ہے یا کسی خاص وقت کی نماز کے بعد؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

جس نماز کے بعد سنتیں نہیں، اس کے بعد شمال یا جنوب مقتدیوں کی طرف رخ کر لینا ثابت ہے اور جس نماز کے بعد سنتیں ہیں، اس کے بعد ثابت نہیں، بلکہ مختصر دعا کر کے سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ (طحطاوی: ۱۷۱، (۲) بدائع) (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۶۷۹/۵-۶۸۰)

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة: ۴۹۵/۱، تفصیل کے لئے دیکھئے: غنية المستملي: ۲۳۰، ظفير

(۲) (الأذكار الواردة بعد) صلاة (الفرض) ... (القيام إلىٰ) أداء (السنة) التي تلي الفرض (متصلاً بالفرض مسنون) غير أنه يستحب الفصل بينهما كما كان عليه السلام إذا سلم يمكث قدر ما يقول: "اللّٰهم أنت السلام ومنك السلام، الخ، ثم يقوم إلى السنة... ويستحب (أن يستقبل بعده): أي بعد التطوع وعقيب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) إن شاء، الخ. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار: ۳۱۱-۳۱۴، قديمي)

(۳) وأما بيان ما يستحب للإمام أن يفعله عقيب الفراغ من الصلاة: فنقول: إذا فرغ الإمام من الصلاة فلا يخلو إما إن كانت صلاةً لا تصلى بعدها سنة أو كانت صلاةً تصلى بعدها سنة، فإن كانت صلاةً لا تصلى بعدها سنة كالفجر والعصر، فإن شاء الإمام قام وإن شاء قعد في مكانه يشتغل بالدعاء ...　==

نماز کے بعد کس طرف رخ کیا جائے:

سوال: نماز فجر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چہار جانب دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تین جانب بیٹھنے کا ثبوب ملتا ہے،قبلہ رو اور شمال وجنوب۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔۲۴/۴/۱۳۹۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۵۱/۵)

== لـمـا روى: ”أن الـنبـي صـلـى اللّٰه عليه وسلم كان إذا فرغ من صلاة الفجر، استقبل بوجهه أصحابه“... ثم اختـلف الـمشـايـخ فـي كيـفية الانـحـراف ... وقـال بـعـضهم : هومخيرإن شاء انحرف يمنة ، وإن شاء يسرةً ، وهو الـصـحيـح... وإن كـانـت صلاة بعدها سنة،يكره له المكث قاعدةً.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل و أما بيان ما يستحب للإمام،الخ: ۳۹۳/۱۔۳۹٤،رشيدية)

(۱) عـن البـراء بـن عـازب رضـى اللّٰه تعالىٰ عنه قال:كنا إذا صلينا خلف رسول اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ،أحببنا أن نـكون عن يمينه،فيقبل علينا بوجهه صلى اللّٰه عليه وسلم “. (مشكٰوة،باب الدعاء فى التشهد،الفصل الأول: ۸۷، رقم الحديث:۹٤۷،انيس)

”وقـد ورد الـروايـا ت الـمـخـتـلـفة في الإنصراف عن الصلاة،فروى البخارى من حديث سمرة بن جندب رضـى الـلّٰـه تـعـالىٰ عـنه قال:كان رسول اللّٰه تعالى عليه وسلم إذاصلىٰ صلوة أقبل علينا بوجهه “.(صحيح البخارى، كتاب الأذان،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤٥) انيس)

وأخـرج مسـلم من حديث أنس رضى اللّٰه تعالى عنه قال كان النبى صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم ينصرف عن يمينه “ (كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰(ح: ۷۰۸)انيس)

وأخـرجـاعـن عبداللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه تعالى عنه...لقد رأيت البنى صلى اللّٰه عليه وسلم كثيراًينصرف عن يساره“(كتاب الأذان،باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۱۷۲(ح:۸٥۲)انيس)

وقـال بـعـضهـم هومخيرإن شاء انحرف يمنةً وإن شاء ينحرف يسرة،وهوالصحيح؛لأن ما هوالمقصود من الانـحـراف وهـو زوال الاشتبـاه يـحـصـل بـالأمـرين جميعاً“.(بذل المجهود ،كتاب الصلاة،باب الإمام ينحرف بعد التسليم: ۳٤٤/۱ (ح:٦۱۲) إمدادية)

”عن قبيصة بن هلب عن أبيه رضى اللّٰه تعالى عنه،قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يؤمنا فينصرف عـلىٰ جانبيه جميعاً:على يمينه وعلىٰ شماله“.وعليه العمل عند أهل العلم:أنه ينصرف على أى جانبيه شاء،إن شاء عن يـمينه،وإن شاء عن يساره.وقد صح الأمران عن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم،ويروى عن على بن أبى طالب رضى الـلّٰـه تعالىٰ عنه أنه قال:إن كا نت حاجته عن يمينه أخذ عن يمينه وإن كانت حاجته عن يساره أخذ عن يساره“.(جامع الترمذى،كتاب الصلوة،باب ما جاء فى الانصراف عن يمينه وعن شماله: ٦٦/۱ (ح:۳۰۱) سعيد)

وخيـره فـى الـمـنية بين تحويله يميناً وشمالاًوأماماً وخلفاً“.(الدرالمختار، كتـاب الصلوة،باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلوةإلىٰ انتهائها: ۵۳۱/۱ .سعيد)

نماز کی چند صورتوں میں امام کس طرف رخ کرے:

سوال: وضوکند برھمان نماز بنا کند، اگر منفرد باشد اوراز سرنو نماز خواندن اَفضل است واگر امام باشد خلیفہ گیرد، وضوکند وداخل مقتدیان شود، ومقتدی وضوکرد باز آید بمکان کہ آنجا بود۔

(۱) سوال یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے امام مقتدی اور منفرد تین قسم کے لوگ ہیں، پہلے ایک حکم ہے، درنماز حدث لاحق شود وضوکند، پھر امام اور منفرد ومقتدی کے لئے الگ الگ حالتیں بیان کی گئیں، اس عبارت کا صحیح محمل کیا ہے؟

(۲) دوآدمی برابر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ایک امام تھا، دوسرا مقتدی، تیسرے شخص نے امام کو آگے بڑھا کر امام کی جگہ کھڑا کر دیا اور خود اسی ایک مقتدی کے ساتھ صف میں کھڑا ہو گیا، اب بعد سلام کے امام اپنی جگہ علی حالہ بیٹھا رہے یا داہنے طرف مڑ کر بیٹھے پھر دعا کرے؟ یہ عصر کی نماز تھی۔

الجو اب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

(۱) منفرد کے لئے اس صورت میں استیناف افضل ہے، اس کا اپنا تنہا کا معاملہ ہے، امام کے لئے خلیفہ بنا دینا افضل ہے، اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہیں، ان سب کی نماز بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے، اس کو خلیفہ بنا دینا افضل ہے؛ تاکہ وقت حدث تک جتنی نماز پڑھ چکے ہیں، وہ خراب اور بیکار نہ ہو، ان کو استیناف (۱) شاق ہوگا، بنا میں یہ بات نہ ہوگی۔ (۲)

(۲) دائیں یا بائیں اس طرح مڑ کر بیٹھ سکتا ہے کہ مسبوق کی طرف اس کا رخ نہ ہو۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۲/۵-۶۵۳)

---

(۱) ازسرنو ع پڑھنا اور پڑھی ہوئی کو بیکار قرار دینا۔

(۲) ((والاستينافه أفضل)تحرزًا عن الخلاف.(الدر المختار)

قلت: هذا ظاهر في المنفرد، لأن ما نواه هو عين صلاته من كل وجه، بخلاف الإمام أو المقتدى تأمل.(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف: ۶۰۳/۱، سعيد)

(۳) وعن السدى عن أنس أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه، عن عبد الله قال: لايجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزأ لا يرى إلا أن حقاً عليه، أن لاينصرف إلاعن يمينه أكثر مارأيت رسول الله عليه وسلم ينصرف عن شماله". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب جواز الانصراف من الصلوة عن اليمين والشمال: ۲۴۷/۱، رقم الحديث: ۷۰۷-۷۰۸، قديمى)

وإن كان لايتنفل بعد ها يقعد مكانه، وإن شاء انحرف يميناً أو شمالاً، وإن شاء استقبلهم بوجهه إلاأن يكون بحذائه مصل، سواء كان فى الصف الأول أوفى الأخير والاستقبال إلى المصلى مكروه، هذاماصححه فى البدائع. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۸۵/۱، رشيدية)

نماز کے ختم پر دائیں بائیں منھ پھیرنا:

سوال: نماز میں سلام دائیں اور بائیں پھیرنا چاہئے؛ لیکن کہیں منھ قبلہ کی طرف ہی کر کے پھیر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ سلام ہوا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

دائیں بائیں منھ پھیرنا سنت ہے۔

"(و) یسن (الالتفات یمیناً، ثم یساراً بالتسلیمتین)". (مراقی الفلاح: ۱٦۳) (۱)

"(ثم یسلم عن یمینه و یساره) حتیٰ یری بیاض خده، ولو عکس سلم عن یمینه فقط". (۲)

(فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۹/۵)

نماز کے بعد داہنی یا بائیں طرف رخ کرنا:

سوال: ایک مقامی مسجد جس میں دس سال سے تبلیغی مرکز ہے اور ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے، اجتماع ایک روز جمعہ کی نماز میں مقرر امام کے نہ آنے کی وجہ سے ایک اجنبی شخص نے امامت کی، بعد سلام تسبیح اور دعاء کے لئے بجائے داہنی طرف مڑنے کے یہ خیال کرتے ہوئے کہ بائیں طرف مڑنا سنت ہے اور عام طور پر امامت کرتے بھی نہیں ہیں، بائیں جانب مڑ کر تسبیح پڑھی اور دعا کے فراغ عوام میں چہ می گوئیاں ہوئیں کہ نیا طریقہ اس نے کہاں سے نکالا، چند روز بعد بعض مخلص سمجھدار معاونین و کارکنان جماعت نے اس دن فجر کے وقت امام صاحب کو اپنی مخلصانہ رائے پیش کی کہ یہاں کی فضا میں عوام کو ابھی تک تبلیغی کام سے مناسبت نہیں ہوئی ہے اور آپ سے بھی ابھی تک عوام کا ربط نہیں ہوا ہے۔ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

داہنی طرف رخ کرنے سے اصل امام یا کوئی بھی اس کا نائب گناہ گار نہیں، جب دونوں ہی سنت ہیں، داہنی طرف رخ کرنا بھی، بائیں طرف رخ کرنا بھی، تو کسی ایک طریقہ پر عمل کرنے سے ترک سنت نہیں ہوگا، اس کے شواہد شریعت میں بے شمار ہیں؛ لیکن کسی ایک طریقہ کو لازم قرار دینا، جس سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ دوسرا سنت سے ثابت شدہ طریقہ غلط اور خلاف شرع ہے، جائز نہیں، مشکوۃ شریف، ص: ۸۷ سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالی

(۱) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان سننها: ۲۷٤، قدیمی

(۲) الدر المختار، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان تألیف الصلاۃ إلی انتهائها: ۵۲٤/۱، سعید

علیہ وسلم سے ــــــــــــ داہنی طرف رخ فرمانا بھی ثابت ہے اور بائیں طرف رخ کرنا یہ بھی ثابت ہے۔(۱)

بہتر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث کوئی عالم نمازیوں کو سنایا کرے تا کہ ان کے سامنے ہر چیز کا سنت طریقہ آئے اور جن غلط فہمیوں میں وہ گرفتار ہیں وہ دور ہوں فتنہ سے پورا پرہیز کیا جائے اور ایسا عمل اختیار نہ کیا جائے جن سے غلط عقیدہ کی تائید ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۹/۵۔۶۵۱) ☆

(۱) عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ. رواہ مسلم. (کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال: ۲۸۰ (ح: ۷۰۸) انیس)

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلٰوتہ یر ی أن حقاً علیہ أن لا ینصرف إلا عن یمینہ، لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیرًا ینصرف عن یسارہ. متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلٰوۃ، باب الدعاء فی التشھد، الفصل الأول: ۸۷/۱، رقم الحدیث: ۹٤٦، قدیمی) (کتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال: ۱۷۲، رقم الحدیث: ۸٥۲، انیس)

وإن کان لایتنفل بعدھا یقعد مکانہ، وإن شاء انحرف یمیناً أو شمالاً، وإن شاء استقبلھم بوجھہ إلاأن یکون بحذائہ مصل، سواء کان فی الصف الأول أوفی الأخیر. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۵۸۵/۱، رشیدیۃ)

☆ دعا کے وقت امام کا رخ کس جانب ہونا چاہئے:

سوال: دعا کے وقت امام کا بائیں طرف منھ کر کے بیٹھنا نہایت ہی مذموم سمجھتے ہیں، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

دعا کے وقت امام کو داہنی طرف اور بائیں طرف پھرنا دونوں حدیث میں آئے ہیں اور دونوں امر کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے کہ یہ سمجھے کہ داہنی طرف ہی پھرنا ضروری ہے، میں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بائیں طرف کو پھرے۔ انتہی (عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئًا من صلا تہ یری أن حقاً علیہ أن لاینصرف إلاعن یمینہ لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیرًا ینصرف عن یسارہ. (متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی التشھد، الفصل الأول: ۸۷، رقم الحدیث: ۹٤٦، ظفیر)

لیکن یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف کو پھرتے تھے۔ (عن أنس رضی اللّٰہ عنہ قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ، رواہ مسلم. (أیضاً ظفیر) کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال: ۲۸۰، رقم الحدیث: ۷۰۸، انیس)

پس معمول یہ رکھنا چاہئے کہ اکثر داہنی طرف کو پھرے اور کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی پھر جایا کرے۔ ((فإذا تمت صلاۃ الإمام فھو مخیر إن شاء انحرف عن یسارہ) وجعل القبلۃ عن یمینہ (وإن شاء انحرف عن یمینہ) وجعل القبلۃ عن یسارہ وھذا أولٰی لما فی مسلم من حدیث البراء: "کنا إذا صلینا خلف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أحببنا أن نکون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ"، فإن مفھومہ أن وجھہ عند الإقبال علیھم کان یقابل من ھو عن یمینہ وذلک إنمایکون إذا کان المسجد عن یمینہ والقبلۃ عن یسارہ، الخ. (غنیۃ المستملی، باب صفۃ الصلاۃ: ۳۳۰/۱، ظفیر) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸۸/۲۔۸۹)

جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں، ان کے بعد امام کس طرف منھ کر کے بیٹھے:

سوال: جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہیں، ان نمازوں میں امام کس طرف متوجہ ہو داہنی طرف یا بائیں طرف، یا مقتدیوں کی طرف؟ زید کہتا ہے کہ داہنی طرف متوجہ ہو، عمر کہتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو، ان میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کس قول پر فتویٰ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تینوں طرح درست ہے، کسی ایک کا التزام درست نہیں، داہنی جانب متوجہ ہونا کہ قبلہ بائیں جانب ہوجائے، اولیٰ ہے۔

وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل(الناس) إن شاء إن لم يكن فی مقابلة مصل لما فی الصحيحين:"كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم:إذا صلٰی أقبل علينابوجهه".وإن شاء الإمام انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولٰی لما فی مسلم:"كنا إذاصلينا خلف رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتی يقبل علينا بوجهه".وإن شاء ذهب لحوائجه،قال تعالٰی:﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ والأمر للإباحة" آه. (مراقی الفلاح: ۱۷۶)(۱)

عن أنس أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه.قال النووی رحمه اللّٰه تعالٰی: "وجه الجمع بينهما أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان يفعل تارةً هذا وتارةً هذا فأخبر كل واحد بما اعتقد أنه الأكثر فيما يعلمه،فدل علٰی جوازهماولاكراهية فی واحد منهما... لكن يستحب أن ينصرف فی جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أوشماله.فإن استوی الجهتان فی الحاجة وعدمها فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين فی باب المكارم". (۲) **فقط واللّٰه سبحانه تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۷۸/۵-۶۷۹)

عصر وفجر میں دکھن جانب رخ کر کے دعا مانگنا:

سوال (۱) زید بعد سلام نماز عصر وفجر میں کبھی کبھی دکھن جانب پھر کر دعا مانگتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،كتاب الصلاة،باب الإمامة،فصل فی صفة الأذكار: ۳۱۴،قديمی

(۲) الصحيح لمسلم مع شرحه للنووی،كتاب المساجد،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلٰوة عن اليمين وعن الشمال: ۲۴۷/۱،قديمی،انيس)

ہندوستان میں "انصراف إلی الیمین والیسار" کا رواج:

(۲)　ہندوستان میں بھی علمائے کرام دکھن رخ ہوکر دعا کرتے ہیں یا نہ؟

انصراف مذہب حنفی کے موافق ہے یا نہیں:

(۳)　زید کا یہ فعل موافق مذہب امام ابوحنیفہؒ کے ہے یا مخالف؟

حدیث میں انصراف کی مراد کیا ہے:

(۴)　حدیث میں " **ینصرف عن یمینه وعن یساره** " کا جولفظ آتا ہے، آیا یہ "**انصراف للذهاب إلی المنزل**" تھا، یا "**انصراف للدعاء**" تھا؟

"انصراف للدعاء" کی دلیل:

(۵)　"**انصراف للدعاء**" کے عدم ثبوت پر اتر جانب پھر کر دعا مانگنے کی کیا دلیل ہے؟

الجواب

(۱)　آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر داہنی طرف اور کبھی کبھی بائیں طرف بھی پھرتے تھے۔(۱) اسی لیے فقہاءِ کرام نے بھی دونوں طرف ہوکر بیٹھنے اور دعا مانگنے کو مستحب لکھا ہے۔(۲)

(۲)　اکثر عوام وخواص زیادہ تر داہنی طرف پھر کر بیٹھتے ہیں اور گاہ گاہ بائیں طرف پھر کر بیٹھتے ہیں۔(۳)

(۳)　کبھی کبھی بائیں طرف، یعنی دکھن کی طرف منھ کر کے بیٹھنا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی بیٹھنا اچھا ہے اور مستحب ہے۔(۴)

(۱)　عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئًا من صلاته یریٰ أن حقاً علیه أن لاینصرف إلا عن یمینه، لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره. متفق علیه. (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷، حدیث نمبر: ۹٤٦، ظفیر)

عن أنس کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینصرف عن یمینه. (رواه مسلم) (کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین والشمال (ح: ۷۰۸) انیس)

(۲-۴)　فإذا تمت صلاة الإمام فهو مخیّر إن شاء انحرف عن یساره) وجعل القبلة عن یمینه (وإن شاء انحرف عن یمینه) الخ (وإن شاء استقبل الناس بوجهه، الخ، هذا إذا لم یکن بعد) الصلوٰة (المکتوبة)... تطوع کالفجر والعصر. (غنیة المستملی، صفة الصلاة: ۳۳۰، ظفیر)

(۴) اس انصراف کا مطلب "انصراف للدعاء" کا بھی ہوسکتا ہے۔(۱)

(۵) جبکہ انصراف "انصراف للدعاء" کو شامل ہے تو یہی دلیل کافی ہے۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبندم:۲/۱۶۶۔۱۶۷)☆

(۱) والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلاة وهى القبلة أعم من أن يجلس بعده أولا فلذا قال(وإن شاء ذهب إلٰى حوايجه)؛لأنه قضى صلاته، الخ.(غنية المستملى،صفة الصلاة: ۳۳۰، ظفير)

☆ **امام کا فجر اور عصر بعد قبلہ رو ہوکر دعا کرنا:**

سوال: امام صاحب کا بعد نماز فجر وعصر قبلہ رو ہوکر دعا مانگنا مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کس قسم کا؟ اور دائیں، بائیں یا مقتدیوں کے سامنے ہوکر دعا مانگنا اگر سنت ہے تو یہ سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــ و بالله التوفيق

بعد نماز فجر وعصر مستحب ہے کہ امام داہنی جانب یا بائیں جانب خواہ مصلیوں کی طرف ہوکر بیٹھے۔

(قال العلامة الكاسانى: "فلا يمكث،ولكنه يستقبل القوم بوجهه إن شاء"،الخ.

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"ثم اختلف المشايخ فى كيفية الانحراف،قال بعضهم:ينحرف إلٰى يمين القبلة تبركاً بالتيامن،وقال بعضهم:ينحرف إلى اليسار،ليكون يساره إلى اليمين،وقال بعضهم:هومخيرإن شاء انحرف يمينه،وإن شاء يسرة،وهو الصحيح". (بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،بيان مايستحب للإمام: ۱/۳۹٤)

اور ضروری تسبیحات پڑھ کر دعا کرے۔ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھ کر دعا کرنا مستحب کے خلاف ہے اور اکثر داہنی طرف رخ کر کے بیٹھنا اولیٰ ہے۔(مسلم) (كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينصرف عن يمينه.مسلم.(مشكوٰة،باب الدعاء فى التشهد: ۸۷) / (الصحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰ (ح:۷۰۸)انيس)

اور تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو ضروری سمجھ کر خاص کر لینا بدعت وخلاف سنت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تینوں طریقے ثابت ومنقول ہیں۔(یمین ویسار کی روایت کا حوالہ گذر چکا،تیسرے طریقے کی روایت یہ ہے:عن سمرة بن جندب رضى الله تعالىٰ عنه قال:كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه،رواه البخارى (مشكوٰة، باب الدعاء فى التشهد:۸۷)(البخارى،كتاب الأذان،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤٥)انيس)

قبلہ رو بیٹھ کر دعا کرنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں،اس لئے مستحب کے خلاف ہوگا۔مکروہ ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔(''بدائع'' میں کراہت کا قول موجود ہے:"إلا أنه يكره المكث علىٰ هيئته مستقبل القبلة.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،بيان ما يستحب للإمام: ۱/۳۹۳)اولیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی کہہ سکتے ہیں۔(مراقى الفلاح: ۲/۵۷) (مكروه تنزيهًا وهو ما تركه أولىٰ من فعله،الخ.(حاشية الطحطاوى،فصل فى المكروهات: ۸۰)والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۹۸۔۱۹۹)

==

امام کے دائیں بائیں گھومنے کیلئے مقتدی کی کوئی تعداد نہیں:

سوال: یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں کہ جب تک امام کے ساتھ دس یا اور کوئی عدد مخصوص کے مقتدی نہ ہوں تو بعد سلام نماز کے دائیں بائیں گھوم کر نہ بیٹھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔

کما فی الشامی:(ولودون عشرة)أی أن الاستقبال مطلق لا تفصیل فیه بین عدد وعدد،الخ، ولایلتفت إلیٰ ما ذکره بعض شراح المقدمة من أن الجماعة إن کانوا عشرة یلتفت إلیهم،الخ، فإن هٰذاالذی ذکره لا أصل له فی الفقه،الخ. (۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۸۴/۲و۱۸۵)

نماز کی جگہ بدلنا:

سوال: باجماعت نماز پڑھنے کے بعد اکثر لوگوں کو اپنی جگہ بدلتے دیکھا ہے،کیا ایسا کرنا درست ہے؟اگر درست ہے،تو کس سمت کو جگہ بدلنی چاہئے؟ نیز ایسا کرنا سنت ہے یا بدعت؟

امام بھی ایسا ہی کرتا ہے کہ باجماعت نماز پڑھانے کے بعد محراب چھوڑ کر پیچھے چلا آتا ہے اور اپنی جگہ کسی اور کو بھیج دیتا ہے،کیا یہ بھی سنت ہے؟　　　(سائل:محمد کریم دبئی،یو،اے،ای)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسمه تعالیٰ

فرض نماز سے فارغ ہوکر امام اور مقتدی دونوں کے لئے جگہ بدل لینا مستحب ہے۔

امام کا ہمیشہ داہنی طرف گھوم کر دعا مانگنا:

سوال: امام صاحب کا ہمیشہ نماز کے بعد داہنی طرف گھوم کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

حامدًا و مصلیًا الجواب ــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

داہنی طرف گھومنے کو لازم سمجھ لینا حسب ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں شیطان کا حصہ مقرر کر لینا ہے۔(عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لا یجعل أحدکم للشیطان شیئًا من صلاته یری أن حقاً علیه أن لا ینصرف إلا عن یمینه لقد رأیتُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره"متفق علیه.(مشکٰوة،الفصل الأول،باب الدعاء فی التشهد:۸۷)(کتاب الصلاة،باب الدعاء فی التشهد،الفصل الأول،رقم الحدیث: ۹٤٦،انیس) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرف پھیرنا ثابت ہے۔فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم(مرغوب الفتاویٰ:۱۹۸/۲)

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة،قبیل فصل فی القراءة : ٤٩٦/۱،ظفیر(مطلب:فیما زاد علیٰ العدد فی التسبیح عقب الصلاة،انیس)

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

" أیعجز أحدکم أن یتقدم أو یتأخر عن یمینه أو عن شماله یعنی فی السبحة". (۱)

"کیا تم میں سے ایک آدمی اس بات سے قاصر ہے کہ فرض نماز کے بعد جب سنت شروع کرے، تو ذرا آگے پیچھے دائیں بائیں ہولیا کرے"۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی، بینات۔ ربیع الثانی: ۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۲۶۹)

فرض ادا کرنے کے بعد امام سنت کہاں ادا کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ظہر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے بعد امام کے لئے محراب میں سنت پڑھنا مکروہ ہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ملک جہاں نزیب آفریدی درہ آدم خیل کوہاٹ...... ۳۰/ اگست ۱۹۸۹ء)

الجواب

جس فرض کے بعد سنت ہو تو فرض پڑھانے والے امام کے لئے مستحب ہے کہ آگے یا پیچھے ہوجائے اور جانب چپ یا راست (دائیں یا بائیں) کو ہوجائے اور یا گھر کو چلا جائے۔ (۲) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۲)

نمازی کے آگے سے ہٹنے کا مسئلہ:

سوال: اگر میں کسی نمازی کے بالکل آگے بیٹھا ہوا ہوں اور وہ نمازی نماز میں مشغول ہے تو اگر میں اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ جانا چاہوں تو کیا ہٹ سکتا ہوں؟ کیا بیٹھے رہنا اور نمازی کے نماز ختم کرنے کا انتظار کرنا اولیٰ ہے؟

الجواب ــــــــ وباللہ التوفیق

ہاں بیٹھے رہنا اور ختم نماز کا انتظار کرنا اولیٰ ہے اور ہٹ جانا بھی درست ہے، البتہ اگر نمازی دائیں جانب کچھ ہٹا ہوا ہے تو اس کے بائیں جانب سے ہٹے اور اگر بائیں جانب ہٹا ہوا ہے تو دائیں جانب سے ہٹے اور اگر بالکل ہی محاذات میں ہو تو ہر طرف سے ہٹ سکتے ہیں۔ (۳) فقط واللہ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۸)

---

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الرجل یتطوع فی مکانه الذی صلی فیه المکتوبة: ۱/۱٤٤، ط: میر محمد، رقم الحدیث: ١٠٠٦)

(۲) قال الحصکفی: یستحب للإمام التحول لیمین القبلة، الخ. قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وإن کان بعدها تطوع وقام یصلیه یتقدم أو یتأخر أو ینحرف یمیناً أو شمالاً أو یذهب إلٰی بیته فیتطوع ثمة. (رد المحتار: ۱/۳۹۲، مطلب فیما لو زاد علی العدد فی التسبیح عقب الصلاة، آداب الصلاة) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انیس)

(۳) کیوں کہ ان صورتوں میں مرور (گذرنا) لازم نہیں آتا ہے۔ انیس

صبح کی نماز کے بعد سلام کرنا کیسا ہے:

سوال: اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد ''سلام علیک'' کرتے ہیں، یہ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب

ہمیشہ اس کا التزام کر لینا بدعت ہے۔ (فتاوی عزیزی: ۲/۷۶)

ساتھ والے کو دیکھ کر نماز پوری کرنا:

سوال: زید نماز میں شامل ہوا جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی، جب بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو یاد نہ رہا کہ میری کتنی رکعت باقی ہیں، اس کے ساتھ ایک اور آدمی نماز میں شامل ہوا تھا، زید نے سوچا کہ اس کو دیکھ کر نماز پوری کرلوں گا، چنانچہ اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کر لی، کیا اس کی نماز درست ہوگئی؟

الجواب

اگر اس دوران زید تین دفعہ ''سبحان ربی العظیم'' کہنے کی مقدار کہیں خاموش منتظر نہیں رہا تو زید کی نماز ہوگئی۔

ولو نسي أحد المسبوقين المتساويين كمية ماعليه فقضٰى ملاحظاً للآخر بلا اقتداء به صح، هٰكذا في الخلاصة،آه.(الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۴۸)(۱)فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۷۳)

بعض حروف ادا کرتے وقت گردن جھکانا:

سوال: ہمارے امام صاحب نماز پڑھاتے وقت گردن اور سر کو جہاں بھی ''ع'' یا ''ح'' ہو، اس طرح کرتے ہیں، جیسے مرغا اذان پڑھتا ہے اور اپنی گردن کو اوپر نیچے کرتا ہے، کبھی ایک ٹانگ کے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں، یعنی ایک ہی ٹانگ پر سارا زور دیکر کھڑے ہوتے ہیں تو ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

قیام طویل ہو تو کبھی ایک ٹانگ پر بوجھ دینا، کبھی تھک جائے تو دوسری پر بوجھ دینا درست ہے، اس سے نماز خراب نہیں ہوتی، (۲) البتہ ''ع'' اور ''ح'' ادا کرتے وقت سر کو جھکانے کی ضرورت نہیں، یہ بلا ضرورت ہے، اگر چہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم اس سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ ۱۹/۱۰/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۵۷)

(۱) الباب الخامس في الإمامة،الفصل السابع في المسبوق واللاحق ،انيس

(۲) وللمتطوع الاتكاء علىٰ شيء كعصا وجدار (مع الإعياء): أي التعب بلا كراهة وبدونه يكره.(الدر المختار)==

نماز میں متعدد امور کی کوتاہی:

سوال: وہ ارکان جن کی ادائیگی دانستہ طور پر اس طرح کی جاتی ہے اور اب ایک رواج کی صورت تک پہنچ چکی ہے۔

(الف) قومہ صحیح ادا نہ کرنا، رکوع سے حسب سابق سیدھا کھڑا نہ ہونا اور سجدہ میں چلے جانا۔

(ب) جلسہ صحیح ادا نہ کرنا، پہلے سجدہ کے بعد حسب سابق سیدھا نہ بیٹھنا اور فوراً دوسرے سجدہ میں چلے جانا۔

(ج) دوران نماز خصوصاً قیام میں بار بار کھانسنا، بار بار ہاتھ اٹھا کر کسی جگہ کھجلانا، کپڑا اسمیٹنا۔

(د) التحیات میں بیٹھتے ہی دونوں ہاتھوں سے قمیص کے دامن کو کھینچ کر درست کرنا،

(ہ) دوان رکوع اپنے ہاتھ گھٹنے سے ہٹا کر پنڈلی اور ران وغیر کو کھجلانا،

(و) دوران سجدہ ایک ہاتھ اٹھا کر کانوں، منھ وغیرہ کو کھجلانا، اسی طرح پاؤں کو دوران سجدہ اٹھالینا۔

(ز) دوران نماز آستین چڑھا کر رکھنا، جب کہ قمیص بھی پوری آستین والی ہے۔

ان تمام امور سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر فاسد نہیں ہوتی تو مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان جملہ امور میں احکام شرعی کی رعایت لازم ہے۔

بعض کے ارتکاب میں کراہت ہلکی ہے، بعض میں شدید ہے، بعض میں فساد نماز کا بھی مظنہ ہے، نماز ام العبادات ہے، تھوڑی سی بے توجہی اور غفلت سے اس کو ناقص اور فاسد کر دینا بڑا خسارہ ہے، اپنے عمدہ لباس پر معمولی دھبہ

== "قوله: (وللمتطوع) لعل وجهه أن التطوع قد يكثر كالتهجد فيؤدى إلى التعب فلم يكره له الاتكاء، بخلاف الفرض فإنه زمنه يسير، وإلا فالمفترض إن عجز فقد مر حكمه، وإن تعب فالظاهر أنه لايكره له الاتكاء، تأمل". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۰۱/۲، سعيد)

وقال العلامة الرافعي رحمة اللّٰه تعالىٰ: (فالظاهر أنه لايكره له الاتكاء) لكن مقتضى تقييدهم بالمتطوع أن المفترض يكره له الاتكاء ولومع الإعياء وكأنه لأن زمنه يسير فلم يكن الإعياء فيه نافياً للكراهة". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۰۴/۲، سعيد)

ويكره القيام على أحد القدمين فى الصلاة بلاعذر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۴۴/۱، سعيد) (مطلب: قد يطلق الفرض علىٰ ما يقابل الركن وعلىٰ ما ليس بركن ولا شرط، بحث القيام، انيس)

"قوله: (وللمتطوع) قيدبه؛ لأن المفترض إذا لم يقدر على القيام إلابه، لزمه" آه. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۳۲۰/۱، دار المعرفة بيروت)

(قوله: وبدونه يكره)؛ لأنه إساءة أدب فالكراهة تنزيهية". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۳۲۰/۱، دار المعرفة بيروت)

برداشت نہیں کیا جاتا، جو فریضہ اور تحفہ، حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی میں پیش کیا جائے، اس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر ہر قسم کے دھبہ سے صاف رکھ کر پیش کیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔۲۰/۶/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔۲۲/۶/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶۵۵/۵)

آداب صلوۃ ترک ہوجانے کا حکم:

سوال: اگر کسی سے آداب یعنی مستحبات نماز رہ جائیں تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے اندر آداب کا لحاظ رکھنا افضل اور بہتر ہے البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی رہ جائیں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصكفي:(ولها آداب)تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً كترك السنة الزوائد لكن فعله أفضل. (۲)(فتاویٰ حقانیہ:۱۰۶/۳)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه :أن رجلاً دخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلى ثم جاء فسلم عليه ،فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم:"وعليك السلام ،ارجع فصل فإنک لم تصل فرجع فصلى،ثم جاء فسلم فقال:"وعليك السلام،ارجع فصل فإنک لم تصل"فقال:في الثالثة أوفي التي بعدها:علمني يا رسول الله ! فقال :"إذاقمت إلى الصلوٰة فأسبغ الوضوء،ثم استقبل القبلة فكبر،ثم اقرأ بما تيسر معک من القرآن ،ثم اركع حتى تطمئن راكعاً،ثم أرفع حتى تستوي قائماً،ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً،ثم ارفع حتى تطمئن جالساً،ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً،ثم ارفع حتى تطمئن جالساً".وفي رواية :"ثم ارفع حتى تستوي قائماً،ثم افعل ذلک في صلوٰتک كلها".متفق عليه.(مشكوة المصابيح ،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،الفصل الأول: ۷٥/۱،رقم الحديث: ۷۹۰ ،قديمي)

"ومن الواجبات تعديل الأركان عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله.وفي المغرب:والمراد بتعديل أركان الصلاة: تسكين الجوارح في الركوع والسجود والقومة بينهماوالقعدة بين السجدتين ". (الفتاوى التاتارخانية ، كتاب الصلوة،الفصل الثاني في فرائض الصلوةوواجباتها وسننها وآدابها: ۵۱۰/۱،إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی)

(۲) الدر المختارعلى صدرردالمحتار ،باب صفة الصلاة: ٤٧٧/١ ـ

(قال العلامة السيد أحمد الطحطاوي : (تحت قوله(الأدب مافعله الرسول)صلى الله عليه وسلم مرة أومرتين ولم يواظب عليه)وتركه لا يوجب إساءةً ولا عتابًا لكن فعله أفضل،آهـ .(طحطاوی حاشية مراقی الفلاح، فصل من آدابها: ٢٢٤)

ہر رکن میں دھیان کا حاضر رہنا:

سوال: ہر رکن میں دھیان نہیں رہتا کہ اب رکوع میں ہوں، یا قومہ میں، یا سجدہ میں، یا قعدہ میں، تو کیا نماز ہوجائے گی؟

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

انشاءاللہ تعالیٰ ہوجائے گی، مگر کوشش کرتا رہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۱/۵-۶۴۲)

جمائی روکنے کا طریقہ:

سوال: بحالت نماز اگر جمائی آئے تو اس کو کیسے روکیں؟ خاص کر رکوع وسجود میں۔

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

داہنے ہاتھ کی پشت منھ پر رکھ لی جائے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۳/۵)

---

(۱) "أن تعبد الله كأنك تراه،فإنك إن لا تراه فإنه يراك". (الصحيح لمسلم،كتاب الإيمان: ۲۷/۱، قديمى)(باب بيان الإيمان والإسلام،رقم الحديث: ۵،انيس)

"فلو اشتغل قلبه بتفكر مسألة مثلاً فى أثناء الأركان،فلاتستحب الإعادة.وقال البقالى:لم ينقص أجره إلا إذا قصر". (ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ۴۱۷/۱،سعيد)(مطلب:فى حضور القلب والخشوع،انيس)

ولو تفكر فى صلاته فتذكر حديثاً أو شعرًا أو خطبةً أو مسئلةً،يكره ولاتفسد صلاته،هكذا فى السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب السابع فيمايفسد الصلاة ومايكره فيها،الفصل الأول فيمايفسدها: ۱۰۰/۱،رشيدية)

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "العطاس من الله والتثاؤب من الشيطان، فإذا تثاؤب أحدكم،فليضع يده على فيه آه". (جامع الترمذى،أبواب الاستيذان الأدب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب ما جاء أن الله يحب العطاس ويكره التثاؤب: ۱۳/۲، رقم الحديث: ۲۷۴۶،سعيد)

(وإمساك فمه عند التثاؤب،فإن لم يقدر غطاه)بظهر(يده)اليسرى،وقيل:باليمنى لو قائماً،وإلافيسراه،اهـ مجتبىٰ". (الدرالمختار). "وعبارة الشارح فى الخزائن:أى بظهر يده اليمنى الخ،فالمناسب إبدال اليسرىٰ باليمنىٰ". (رد المختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة: ۴۷۸/۱،سعيد)

وقال علامة الرافعى:"(فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى)،الذى رأيته فى عدة نسخ من الشرح بظهر يده اليمنى. (تقريرات الرافعى،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۹/۱،سعيد)

داہنے ہاتھ سے کھجائے یا بائیں ہاتھ سے کھجائے:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں اگر کسی جگہ بدن پر خارش آئے اور کسی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھجایا تو نماز ٹوٹ گئی یا نہیں ؛ کیونکہ ہمارے یہاں امام صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی ، داہنے ہاتھ سے کھجایا جائے ؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر خارش کو ضبط نہیں کرسکتا تو حالت قیام میں داہنے ہاتھ سے کھجائے ؛ لیکن اگر بائیں ہاتھ سے بھی کھجایا تو محض بایاں ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی ۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۔ ۱۶/۷/۱۳۷۹ھ ۔ (فتاویٰ محمودیہ : ۶۵۴/۵)

نماز میں ترجمہ پر توجہ:

سوال: نماز ہی میں سورۂ فاتحہ اور سورتوں کا ترجمہ سونچنا اور اس پر غور وفکر کرنا کیسا ہے ؟ اگر اس طرح کیا جائے تو دھیان اِدھر اُدھر نہیں جاتا ؟ (محمد سیف اللہ ، حافظ بابا نگر)

الجواب ــــــــــــــــــ

اگر کوئی شخص ترجمہ سے واقف ہو اور کلماتِ قرآنی کو پوری توجہ سے سنتے ہوئے اپنے ذہن کو اس کے معانی کی طرف متوجہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ؛ کیونکہ قرآن کی بالخصوص جہری تلاوت کا مقصد ظاہر ہے کہ صرف الفاظِ قرآنی سے کان کو محظوظ کرنا نہیں ؛ بلکہ اس کے معانی ومقاصد بھی مطلوب ہیں ، اگر قرآن کے معانی پر بھی توجہ ہو تو نماز میں خشوع اور انابت الی اللہ کی کیفیت بڑھ جاتی ہے ، اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ، ہاں ! معانیٔ قرآن کے سواء دوسری

---

(۱) (وعبثه به) : أي بثوبه (وبجسده) للنهي ، إلا لحاجة ، لابأس به . (الدر المختار)

قوله : (إلا لحاجة) كحك بدنه لشيء أكله وأضره ، وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه ، وهذا لو بدون عمل كثير ، قال في الفيض : الحك بيد واحدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلاة إن رفع يده في كل مرة . (رد المختار ، كتاب الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها : ٦٤٠/١ ، سعيد) (مطلب : في الكراهة التحريمية والتنزيهية ، انيس)

وإمساك فمه عند التثاؤب ، فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى ، وقيل : باليمنى لو قائماً ، وإلافيسراه ، آه ، مجتبى . (الدر المختار)

وفي ردالمحتار : وعبارة الشارح في الخزائن : أي بظهر يده اليمنى الخ ، فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى . (كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة : ٤٧٨/١ ، سعيد)

(فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى) ، الذي رأيته في عدة نسخ من الشرح بظهر يده اليمنى . (تقريرات الرافعي ، كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة : ٥٩/١ ، سعيد)

باتوں کی طرف قصداً ذہن کو متوجہ رکھنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز اس سے بھی فاسد نہیں ہوتی، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں کہ اگر نماز میں غور وفکر کرے اور شعر اور خطبہ یاد کرلے اور ان دونوں کو دل ہی دل میں پڑھ لے، زبان سے اس کا تکلم نہ کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"**فقرأهما بقلبه ولم يتكلم بلسانه، لاتفسد صلاته**". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۲۰۵-۲۰۶)

سجدۂ شکر کرنا کیسا ہے:

سوال: سجدۂ شکر کا کیا حکم ہے اور بعد صلاۃ کرنا چاہئے، یا کس وقت اور بعد نماز بلا وجہ سجدہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب

سجدۂ شکر عند تجدد النعمۃ مستحب ہے۔

في الدرالمختار: وسجدة الشكر مستحبة. (۲)

اور بعد نماز کے بلا وجہ مکروہ ہے۔

كما فيه أيضًا: لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهلة يعتقدونها سنةً أو واجبةً وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، الخ. (۳) **فقط** (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۶۲)

خشوع نہ ہونے کی صورت میں نفل کا اعادہ کیسا ہے:

سوال: اگر نماز میں خشوع نہ ہو اور اعادہ کرے تو کچھ حرج تو نہیں یا غیر اللہ کا خیال آنے سے نیت توڑ دے، نفل میں ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اعادہ نہ کرے اور نیت بھی نہ توڑے، ایسا کرنے سے شیطان کو زیادہ موقع وسوسہ کا ملتا ہے، اس لئے نفل میں بھی نہ کرے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۷۵)

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوپی کو سترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) **البحر الرائق: ۲/۱۴، ط: پاکستان، کوئٹہ) (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، انيس**

(۲-۳) **الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱/۷۳۱، ظفير**

(۴) **فلو اشتغل قلبه بتفكر مسئلة مثلاً في أثناء الأركان فلا تستحب الإعادة، وقال البقالي: لم ينقص أجره إلا قصر. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع: ۱/۳۸۷، ظفير)**

الجواب

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ٹوپی کو سترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے، (۱) اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اسلاف امت کا عمل بھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا منقول ہے۔

ملاحظہ ہو، درمختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة) :(وصلاته حاسرا)أی كاشفا (رأسه للتكاسل)وفی الشامی: (للتكاسل) أی لأجل الكل بأن استثقل تغطيته ولم يرها أمرا مهمافی الصلاة فتركهالذلک. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ٦٤١، مكروهات الصلاة ، سعيد وكذا فی شرح منية المصلی: ۳٤٨،سهيل)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہو گیا ہے اور اس کو فساق وفجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

”ولا يخفى على عاقل أن كشف الرأس مستقبح وفيه إسقاط مروءة وترک أدب“. (تلبيس إبليس: ۳۷۳)(۲)

عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروت کو ختم کرنا اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔

قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

”ويكره كشف رأسه بين الناس“.(غنية الطالبين: ۱/ ۱۳)(۳)

لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۶/ ۳۵۱)

سنت اور فرض کے درمیان کھانا پینا یا باتیں کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صبح کی نماز میں فرض اور سنت کے

(۱) حديث:”كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغيرعمامة وربما نزع قلنسوته من رأسه فجعلها سترة بين يديه ثم يصلى إليها“ أخرجه الطبرانی وأبوالشيخ والبيهقی فی شعب الإيمان من حديث ابن عمر: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قلنسوة بيضاء ،ولأبی الشيخ من حديث ابن عباس: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث قلانس، قلنسوة بيضاء مضربة وقلنسوة بردحبرة قلنسوة ذات آذان يلبسها فی السفر وفربماوضعها بين يديه إذا صلى، وإسنادهما ضعيف ،الخ.(تخريج أحاديث إحياء علوم الدين،بيان آدابه وأخلاقه فی اللباس: ۱/ ۸٦۱،دارابن حزم بيروت.انيس)

(۲) تلبيس إبليس،ذكرتلبيس إبليس على الصوفية فی الوجد: ۱/ ۲۳۲،دارالفكربيروت.انيس

(۳) غنية لطالبين،فصل فی الإستئذان: ۱/ ٥۱،دارالكتب العلمية بيروت.انيس

درمیان یا نماز ظہر کی سنت اور فرض کے درمیان کھانا پینا اور باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سے سنت کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ بینوتو جروا۔

(المستفتی: مولوی نصیب خان حسن خیل شمالی وزیرستان......۱۰/نومبر ۱۹۸۹ء)

الجواب

فرائض اور سنن کے درمیان یہ امور منقص ثواب ہیں؛ لیکن موجب اعادہ نہیں ہیں۔ (شرح التنویر علی هامش ردالمحتار: ۱/۴۵۷)(۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۶)

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: ولو تكلم بين السنة والفرض لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها، وقيل تسقط. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۱/۵۰۳، مبحث مهم في الكلام على الصجعة بعد سنن الفجر، باب الوتر والنوافل)

والكلام بين السنة والفرض وكل عمل ينافي التحريمة لايسقطها ولكن ينقص ثوابها على الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان النوافل: ۳۸۹، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز کے اندر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا مستحب ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہے ان کے چھوڑنے والے کو بُرا بھلا نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر غصہ کیا جائے گا لیکن ان کا کرنا افضل ہے (درمختار بر شامی: ۱/۳۲۱)

۱- آستین کے اندر ہتھیلی ہو تو تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کو اس کو باہر نکالے۔

(الف) لیکن ٹھنڈ ہو تو نہ نکالے۔ (ب) عورتیں اپنی ہتھیلیاں چھپائے رکھیں۔

۲- مرد وعورت دونوں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ اور رکوع کی حالت میں دونوں پاؤں کے قدم کی پشت (اوپر) کو اور سجدہ کی حالت میں ناک کا بانسہ (نرم حصہ) کو بیٹھنے کی حالت میں گود کو اور دائیں جانب سلام کرتے وقت مونڈھے کو اور بائیں جانب سلام کرتے وقت بائیں مونڈھے کو دیکھنا۔ (مراقی: ص۱۵۱)

۳- جہاں تک ہو سکے کھانسی کو روکنا۔ (مراقی: ص۱۵۱)

(الف) اگر کھانسی روکنے میں ضرر ہو یا روکنے میں دل میں مشغول ہونے سے قراءت میں یا بلند آواز سے پڑھنے میں رکاوٹ ہو تو نہ روکے۔ (طحطاوی: ۱۵۱)

(ب) اگر کھانسنے میں کوئی حرف کی آواز نکل جائے یا ڈکار نے میں نکل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (طحطاوی: ۱۵۱)

۴- جمائی کے وقت منہ بند کرنا۔ (مراقی: ۱۵۱)

(الف) منہ پر ہاتھ رکھے بغیر بند ہو سکے تو ہاتھ یا آستین سے بند کرنا مکروہ ہے۔ (طحطاوی) ورنہ نہیں۔ (مراقی: ۱۵۱)

(ب) ہاتھ سے بند کرنے کی صورت میں یہ ہے کہ ہاتھ باندھے ہو تو دائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھے، ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھیں۔

۵- امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے آگے سے آئے تو جس صف کے پاس سے گزرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور امام آگے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب مقتدی کھڑے ہو جائیں اور اگر امام ومقتدی سب لوگ موجود ہوں تو جلدی اٹھ کر صف سیدھی کریں اور حی علی الفلاح کے بعد کوئی بیٹھا نہ رہے۔ (طحطاوی علی الدر المختار وغیرہ) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۶۰-۲۶۱) (انیس)